بنگلہ دیش

میں

ہم بہاریوں پر کیا گذری

مُصنّف

سید قمر الہدیٰ ایم اے ایل ایل بی (علیگ) ایڈوکیٹ

ملنے کا پتہ

مکان نمبر ۲۵۶ روڈ نمبر ۱۷ اشرف آباد۔ کراچی ۵

بنگلہ دیش
میں
ہم بہاریوں پر کیا گذری

:- مصنف :-

سید قمر الہدیٰ

ایم - اے - ایل ایل - بی (علیگ) ایڈووکیٹ

سید قمر اللہدی

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نہ ابلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

(اقبالؒ)

طابع . . . . .

ناشر. . . . . . .

مطبع . . . . . .

اشاعت اول . . . ایک ہزار

قیمت :۔ ۱۰ روپے

پیش لفظ

میں باوجود اپنے انتہائی ذہنی انتشار، بے سرو سامانیوں اور عجلت کے عالم میں یہ کتاب لکھنے بیٹھ گیا ہوں۔ میں وہ کچھ لکھنا چاہتا تھا۔ جو نہ لکھ سکا ہوں۔ جو کچھ پیش خدمت ہے وہ مجملہ ہے، کافی اختصار سے کام لیا گیا ہے اس کتاب میں پاکستان میں وجود میں آنے سے قبل کیا حالات بنگلہ دیش کے تھے۔ ان کے سیاسی، معاشی، معاشرتی، اقتصادی اور مذہبی سج دھج کیسے تھے ان بنگالیوں کا طرز فکر اور عملی زندگی کس نوعیت کی تھی۔ ہندو زمینداروں اور ہندو مارواڑیوں کے گرداب بلا کے کس طرح شکار تھے۔ مسلم انڈیا نے انہیں نکبت و افلاس اور عسرت و زبوں حالی سے نکالنے کے لئے کیا سعی کی۔ مسلم لیگ کس نے بنائی اور کس طرح بنی۔ پاکستان کی تحریک کو کس طرح طاقت ملی، زور پکڑا اور آگے بڑھی۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد کس نے پاکستان سے علیحدگی کے لئے نعرہ بلند کیا اور زبان کے مسئلہ کو علیحدگی کے حصول کے لئے استعمال کیا۔ بنگلہ زبان کے فتنہ کو قائد اعظم رحنے دبانے کی کوشش میں کامیابی حاصل کی۔ کس طرح خواجہ ناظم الدین اور نورالامین کی ملی بھگت نے اس زبان کے سوئے ہوئے فتنہ کو جگایا اور پھر اسے ملک کی ایک قومی زبان بنانے کے لئے جان توڑ کوشش کی۔ بنگالی اپنی نفسیات

جو وہاں کی موسمیات سے مطابقت رکھتی ہے، کو بروئے کار لاتے ہوئے بنگالی ذہنیت و مزاج کی ساخت و پرداخت وہاں کی موسمیات کے طابع ہوا کرتی ہے بنگالی زبان کے کاندھے پر سوار علیحدگی کے لئے مسلسل و متواتر جنگ کرتے رہے اس میں کچھ تو کھل کر علیحدگی کے لئے برسرپیکار تھے اور بہت سی پارٹیاں اسلامی برادری، اسلام اور حب الوطنی کا نعرہ بلند کر رہی تھیں لیکن یہ دکھاوے کا تھا۔ صحیح معنوں میں وہ بھی علیحدگی کے لئے راستہ ہموار کرتے چلے گئے۔ بنگلہ قومیت کے جذبہ کو جلا پر جلا دینے لگے۔

سہروردی صاحب مرحوم نے کس طرح نظریہ پاکستان کی مخالفت کی اور ملت کا شیرازہ بکھیرنے میں شب و روز لگا دیا۔ کس طرح مسلم اتحاد کو تہس نہس کر کے دم لیا۔

ہندوؤں کو گلے لگایا۔ ان سے بنگلہ زبان کے ناطے پر ناطہ جوڑا ہندوؤں نے کس طرح پاکستان کو علیحدہ کرنے کے لئے کوششیں کیں۔ کس طرح ہندوؤں کی کوششیں بار آور ہوئیں۔ ہندوستان نے کس طرح سازشیں کیں اور کس طرح مشرقی پاکستان پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور بین الاقوامی قدروں کو پامال کیا گیا۔

غیر بنگالیوں کے ساتھ عام طور پر بنگالیوں کا کیا رویہ رہا۔ کس طرح ان کا قلع قمع اور ان پر وہاں کی زمین تنگ کی جاتی رہی۔ غیر بنگالیوں کو ستانے، پریشان کرنے کا سلسلہ کب سے شروع ہوا اور کس طرح شروع ہی سے کشت و خون کیا گیا آخر میں پورے غیر بنگالی آبادیوں پر کس طرح بنگالی بھیڑیے ٹوٹ پڑے اور چیرنا پھاڑنا شروع کیا۔

کس طرح "بنگلہ دیشی" حکومت نے قتل عام غیر بنگالیوں کا کیا اور ان کی جائیدادوں سے انہیں محروم کیا۔

بنگالی اسلام پسندوں اور محب وطن پارٹیوں کا رویہ غیر بنگالیوں کے ساتھ

سخت اور معاندانہ رہا آپس میں کرسی اور اقتدار میں آنے کے لئے رسہ کشی ضرور رہی لیکن غیر بنگالیوں کے مسئلہ پر سبھوں کا رویہ اور سلوک یکساں رہا۔

مغربی پاکستان کے سرمایہ داروں نے علیحدگی پسندوں کی ہمیشہ بھرپور مالی امداد کی۔

مغربی پاکستان کے رہنماؤں نے حصول خوشنودی عام بنگالی، غیر بنگالیوں کو مطعون اور بنگالیوں کی معاونت و مدد فرماتے رہے۔ بنگالیوں کی تعداد کا خیال حق نوازی پر مسلط رہا، ملک کا مفاد اور نظریۂ پاکستان پس پشت پڑ گیا تھا۔

نیاز مند

سید قمر الہدیٰ۔ ایم اے۔ ایل ایل۔ بی

(علیگ) ایڈووکیٹ

فہرست

اصطلاح بہاری

بہاری کی اصطلاح بنگالیوں یعنی قدیمی مشرقی پاکستانیوں نے دی۔ ویسے قیام پاکستان سے پہلے صوبہ بہار کے رہنے والے اس الفاظ سے ناآشنا تھے بلکہ ان کا تصور قومیت کچھ اور ہی تھا وہ مسلمان کی حیثیت سے جینے ومرنے کو فخر متصور کرتے تھے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ کے تحت وہ جغرافیائی حدود سے بالاتر سوچنے اور سمجھنے کے عادی رہے۔ جذبہ اسلامی و اسلامی اسپرٹ سے ان کا سینہ معمور رہا۔ اسلام کو بین الاقوامی تحریک اور مسلمان چاہے دنیا کے کسی خطہ میں بسنے والوں میں ہو ان کی نگاہ میں ایک ہی اسلامی برادری میں منسلک تصور کرنا ان کا خاصہ رہا۔ جاہل سے جاہل اور کمتر سے کمتر مسلمان کی اسپرٹ ہمیشہ اسلامی رہی۔ یہ ممکن نہیں ہندو مسلمان کی رسّہ کشی یا فساد پھوٹ پڑے اور اور بدکار مسلمان جان ہتھیلی پر لے کر اسلامی وقار کو اُجاگر کرنے کی خاطر ہر خطرہ کو مول لینے کو ہمہ دم مستعد نہ ہو جائے یہ غیر ممکن تھا۔

کہ ان کا تصور قومیت یہ تھا کہ ایک مسلم قوم ہوتی ہے رچاہے وہ ہندوستان کے کسی خطہ سے تعلق رکھتا ہو) اور دوسری غیر مسلم چنانچہ ان کی قومی اسپرٹ ہمیشہ سے تابع اسلامی تعلیمات رہیں۔ تاریخ شاہد ہے غدر کے وقت سے لے کر قیام پاکستان تک اسی اسلامی جذبہ میں مظاہرہ کرتے ہیں احمد شہید بریلوی کی تحریک سے لے کر ۱۹۴۶ء کے مسلمانان بہار کے قتل عام تک اور یہ ساری قربانیاں فی سبیل اللہ خلوص پر مبنی، حرص و ہوس سے بالاتر خود نمائی سے دور اور بے لوث اور بے لاگ۔ بہاری باوجود قلیل اقلیت میں رہنے کہ وہ ویسے معاشرتی

تعلیمی اور بہت حد تک معاشی اعتبار سے فوقیت رکھتے تھے اور حاوی تھے وہاں عام تصور تھا کہ ہندو ایسا تو نہیں ہوتا جس سے ڈرا جائے۔ چنانچہ ہندو مغلوب اور مسلمان عام طور پر غالب تھا۔ پاکستان کی تحریک جب قائدِ اعظم نے شروع کی تو وہاں عام مسلمان دل و جان سے اس تحریک کے والہانہ انداز میں پیچھے لگ گئے۔ ہر گھر مسلمانوں کا مسلم لیگ کے ترانہ سے گونج اٹھا۔ گوشہ گوشہ، قریہ، قریہ سوائے مسلم لیگ کے اور کوئی چرچا نہ تھا۔

اس جذبہ، خلوص اور طرزِ فکر کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذرہ خیال تو کریں کہ بنگالیوں نے جس لقب بہاری سے نوازا کس قدر سوہان روح اور جانکاہ ہے بہر کیف قیام پاکستان کے بعد سے لے کر قیام بنگلہ دیش تک جو روح فرسا مظالم بہاریوں پر توڑے گئے اس کے پیش نظر اب جب کے بنگالیوں کا تذکرہ آئے گا۔ لفظ بہاری استعمال کرنا ہی ہوگا۔ افسوس صد افسوس قیام پاکستان سے پہلے بہاری مسلمان اپنے آپ کو مسلمان متصور کرتے رہے لیکن قیام پاکستان کے بعد انہیں بہاری کے تضحیک آمیز لقب سے نوازا گیا۔ اس سے بڑھ کر دکھ اور صدمہ کی بات نہیں ہو سکتی۔ اس سے بھی پتہ چل سکتا ہے کہ دو قومی نظریہ حقیقی کس کا تھا اور بنا لوٹی کس کا۔

بہاری کی اصطلاع اس لئے بھی پڑی کہ مشرقی پاکستان میں اقلیتی صوبوں سے آنے والوں میں اکثریت صوبہ بہار کے مسلمانوں کی تھی۔ اس کے بعد صوبہ یوپی کے مسلمانوں، پھر کلکتہ میں اردو بولنے والوں کی تعداد جو ایک قدیم زمانہ سے بہاریوں و دیگر اقلیتی صوبہ سے آکر بس گئے تھے۔ مغربی پاکستان سے جاکر تجارت یا ملازمت کرنے والوں کو بہاری کہتے تھے اس لئے بھی اکثریت صوبہ بہار کے مسلمانوں اور یوپی صوبہ کے مسلمان کی یوں ہو گئی کہ قیام پاکستان کے بعد انڈین ریلوے کی تقسیم عمل میں آئی ان کے ملازمین کو رائے کی مراعات دی گئی۔ پاکستان سے والہانہ محبت و فطری لگاؤ کے پیش نظر عام طور پر اقلیتی صوبہ کے مسلمانوں

نے پاکستان آنے کے حق میں رائے دی۔ لیاقت مرحوم نے جو خوش قسمتی یا بد قسمتی سے پاکستان کے پہلے وزیراعظم ہوئے انھوں نے من مانی کو راہ دے کر فیصلہ صادر فرما دیا کہ مغل سرائے سے لے کر مغربی بنگال تک جتنے لوگوں نے پاکستان جانے کے حق میں رائے دی۔ ان کو جبری طور پر مشرقی پاکستان بھیج دیا گیا۔ ثانیاً قربت ہونے کی وجہ سے عام مسلمانوں نے مشرقی پاکستان جانا پسند کیا۔ آہستہ آہستہ یہ اصطلاح اس طرح وسیع ہوتی گئی کہ اس دائرہ میں صوبہ پنجاب، سرحد، بلوچستان اور سندھ کے لوگوں کے لئے بھی استعمال ہونے لگا غرضکہ یہ اصطلاح عام غیر بنگالیوں کے لئے استعمال ہونے لگا۔ مشرقی پاکستان کے قدیمی بسنے والے بنگلہ زبان کے ناطے سے خود کو بنگالی کہلانے پر فخر محسوس کرنے لگے۔ مشرقی پاکستان اور مسلمانیت کا تصور ماند پڑنے لگا۔

نوبت بایں رسید کہ نعوذ باللہ، خداوند پاک کو بھی بہاری کہا جانے لگا نبی اکرمؐ کی شان میں بھی یہی الفاظ استعمال ہونے لگے اور تاویل عام طور پر عوام کو سمجھانے کے لئے یہ دیا گیا کہ خدا و رسول بہاری نہ ہوتا تو قرآن پاک نعوذ باللہ بنگالی زبان میں ضرور ہوتا چنانچہ انھوں نے مسجد اقصیٰ کے مسئلہ کو، فلسطین، کشمیر و دیگر دنیائے اسلام کے مسائل کی خاطر آواز بلند کرنے کی مخالفت کرتے رہے۔

اب بنگالیوں اور بہاریوں کے طرز فکر کو سامنے رکھ کر غور کریں۔ کس قدر تضاد اور ایک دوسرے کے نظریہ سے کس قدر بیر۔ ادھر بہاریوں کا طرز فکر اسلامی اُدھر اس کی نفی۔ ادھر بہاریوں میں قومی تصور کہ مسلمان چاہے وہ دنیا کے کسی خطہ کا بسنے والا ہو، ایک ہی لڑی میں پرویا ہوا ہے۔ یہ جذبہ جو بہاریوں کو اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملا مشرقی پاکستان میں رہ کر تیاگ دینے کو تیار نہیں اُدھر یہ تخیل کہ ہر وہ شخص بنگالی قومیت سے وابستہ ہے چاہے وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ قومیت کی تعریف بنگالی زبان سے وابستہ کردی گئی۔ تضاد

اور رسہ کشی لازمی امر بن گیا۔ بہاری نے پاکستان اور اسلام سے وابستگی اور وفاداری رکھی۔ اُدھر ازل ہی سے علیحدگی کی تحریک جاری رہی۔ چنانچہ نظریہ پاکستان کے حامل لوگوں نے علیحدگی کی تحریک کو اپنانے سے ہمیشہ اور مسلسل گریز کیا۔ چنانچہ یہ گریز نفرت کی بنا پڑی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوؤں نے ہمیشہ تحریک علیحدگی کی پرزور حمایت کی اور مسلسل سازش کے محرک کی حیثیت سے شریک رہے۔ کلکتہ علیحدگی کی سازش کا مرکز بنا رہا جو حکومت بھارت کی سرپرستی میں کام کرتا رہا۔ ہر طرح کی مدد و معاونت وہاں ہوتی رہی اور وہاں ہی کے اشارے اور حکم پر کام ہوتا رہا۔ علیحدگی کی تحریک کے درپردہ ہندو رہے۔ ہندو پیچھے رہ کر تحریک کو تقویت پہنچاتا رہا۔ زبان، کلچر، رہن سہن کھانا پینا اور فکر انداز بھی ہندو مسلمانوں کا ایک سا ہے شناخت ذرا مشکل تھی۔ اقلیتی صوبوں میں یہ بات نہ تھی۔ ہندو و مسلمان معاشرتی، زبان، رہن سہن، لباس اور انداز فکر میں عیاں تھے۔ مشکل تو ہے ہندو بنگالی کے سر پہ چٹیا بھی نہیں ہوتی ہے چنانچہ قیام بنگلہ دیش پر جب سدھارتا شنکر رائے (چیف منسٹر) کو مغربی بنگال جب ڈھاکہ آئے تو بھرے جلسہ میں فرمایا کہ یہاں کے مسلمانوں کی رگوں میں میرا خون ہے اور اسے تمام اخباروں نے شائع کیا اسی طرح بھاشانی صاحب نے ایک بیان میں فرمایا کہ بنگلہ دیش میں اسی فی صد مسلمان شودر قوم سے ہیں جو بڑے بڑے ہندو زمینداروں کے ظلم سے مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہندو زمینداروں اور مارواڑیوں نے بلے پناہ ظلم کئے تھے۔ داڑھی رکھنے، بچوں کو پڑھانے اور ختنہ کرانے تک پر پابندی تھی۔ اس کا اظہار فیروز خان نون صاحب نے اتفاق سے کر دیا کہ یہاں کے مسلمانوں کا ختنہ نہیں ہوتا تھا تو آفت مچ گئی تھی حتیٰ کہ مولوی فرید احمد مرحوم تک نے حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہوئے برافروختگی کا اظہار کیا تھا۔

ہاں تو بنگالی قومیت کے ماننے والوں کا تضاد اور رسہ کشی لابودی

ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ قیام پاکستان کے کچھ ہی عرصہ بعد محبت کی جگہ نفرت نے لے لی۔ بنگالی علیحدگی کی راہ پر گامزن ہو گیا اور بہاری پاکستان کی سالمیت اور نظریہ پاکستان کے مطیع رہے۔ بنگالی اپنی تحریک آزادی کے لئے بہاریوں کو زہر ہلاہل تصور کیا۔ بہاریوں کو نظریہ پاکستان و سالمیت کی خاطر بڑی قیمت چکانی پڑی۔ بہاریوں پر عرصہ حیات تنگ کیا جانے لگا۔ سنہ ۱۹۵۱ء سے حکومت میں ملازمت کے دروازے قطعاً بند کر دیئے گئے۔ ڈومیسائل دینا بند کر دیا گیا۔ مختلف شہروں میں بہاریوں کی عزت و آبرو، جان و مال سے کھیلنا معمولی بن گیا۔ کرنا فلی پیپر مل کا فساد، آدم جی مل کا فساد، کھلنا، پاربتی پور اور چٹگاؤں کا فساد وغیرہ وغیرہ۔ طرہ یہ کہ کوئی اور کسی پارٹی سے تعلق رکھنے والا شخص کبھی بھی غیر بنگالیوں پر مظالم اور تشدد کے خلاف لب کشائی تک نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ مورد الزام ٹھہراتے رہے کہ یہ غیر بنگالی ریلوے یا کسی ریلوے ہڑتال میں ساتھ کیوں نہیں دیتے۔ بنگالی زبان کیوں نہیں پڑھتے۔ بنگالی کلچر و تمدن کیوں نہیں اپناتے جو ہندو کلچر سے قریب اور اسلامی کلچر سے کوسوں دور تھا۔ زبان کا مسئلہ بھی کچھ اسی طرح کا تھا۔ یہ اشوک و وید کی زبان سے قریب اور قرآن پاک کی زبان سے عین ضد۔ مہاجروں میں یہ احساس شدت کے ساتھ رہا کہ پاکستان بنانے والوں نے قوم سے عہد کیا تھا کہ پاکستان جب بنے گا تو پاکستان میں قرآن پاک و سنت کے مطابق حکومت بنے گی۔ غیر منقسم ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کا قومی وطن ہو گا۔ پاکستان کی سرکاری زبان اردو رہے گی اور تمام دنیائے اسلام سے جذبہ اخوت اسلامی کے تحت رشتہ استوار کیا جائے گا۔ ثانیاً سارا ہندوستان مسلمانوں کے صدیوں تسلط میں رہا۔ بعد میں انگریز اپنے مکر و فریب اور ظلم و ستم کو بروئے کار لے کر مسلمانوں کو حکومت سے دستبردار کرا کر سارے ہندوستان پر قابض ہو گیا۔ پھر قائد اعظم رح کی سرکردگی میں پاکستان حاصل کیا جو برصغیر کے دس کروڑ

کی ملک کی حیثیت سے انگریزوں اور ہندوؤں سے حاصل کیا۔ یہ پاکستان کسی طرح بھی پاکستان کے قدیمی بسنے والوں کا تنہا ملک نہیں ہو سکتا۔ بہاریوں (غیر بنگالیوں) نے جب نظریہ پاکستان کے خلاف صف آرا دیکھا زمین تنگ نظر آنے لگی۔ مستقبل تاریک و بھیانک نظر آنے لگا۔ غیرت مند و با اصول قوموں کا خاصہ ہوتا ہے کہ جب اور جن اصولوں کو لے کر تحریک شروع کی جاتی ہے اور اللہ جب کامیابی و کامرانی، فتح و ظفر سے بہرہ ور کرتا ہے تو پھر شدت کے ساتھ ان اصولوں پر جمے رہتے ہیں اور پروان چڑھانے کی سعی کرتے ہیں۔ لیکن پاکستان میں خاص طور پر مشرقی پاکستان میں انہی اصولوں کے خلاف بغاوت کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ اب بتائیں یہ معصوم بہاری (غیر بنگالی) اس بدلے ہوئے سانچے میں اپنے آپ کو کہاں ڈھال سکتے تھے۔ بنگالی اپنے کو عام طور پر حاکم اور مشرقی پاکستان کو اپنا واحد و تنہا وارث سمجھتے رہے۔ ہندوؤں کو ایک زبان اور کلچر اور قدیمی باشندہ ہونے کی وجہ کر اپنا تصور کیا اور بہاریوں کو قطع نظر اسلامی برادری واخوت کے غیر متصور کرتے رہے۔ چنانچہ سیاسی طور پر بہاریوں کا مکمل قلع قمع رہا۔ آج تک کوئی بہاری صوبائی وزراء میں نہیں لیا گیا۔ مرکز میں بھی کوئی بہاری مشرقی پاکستان سے نہیں لیا گیا۔ صوبائی اور رکن اسمبلیوں میں منتخب نہ ہو سکا پارٹیاں ٹکٹ دینا پسند نہیں کرتی تھیں۔ سفراء یا کسی اعلیٰ عہدوں پر نہیں لیا گیا جو قیام پاکستان کے وقت سے افسر لئے گئے تھے ان کی ترقیاں روک رکھی تھیں یوں تو صدہا مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن سردست ایک کی سن لیں۔ مجیب الرب صاحب بہار کے رہنے والے تھے۔ ایک پولیس کے اعلیٰ افسر تھے۔ ان کی ترقی کی باتیں جب آئیں تو اسی وقت ضحی صاحب (بنگالی) کی ترقی کی باتیں اٹھائی گئیں۔ دونوں کی فائلیں آخری فیصلہ کے لئے جب نور الامین صاحب چیف منسٹر کے پاس آئی تو نور الامین نے یہ کہہ کر گو مجیب الرب صاحب زیادہ سنیئر اور صلاحیتوں کے مالک ہیں ان کو ہر حال میں ضحی صاحب پر فوقیت ہے لیکن

پھر بھی میں مجیب الرب صاحب کی بجائے ضمنی صاحب کو ترقی دیتا ہوں چونکہ ضمنی صاحب فرزند زمین ہیں۔ یہ واقع ابتداد کا ہے۔ اسی طرح جب بھی نئی منسٹری بنی کوئی نہ کوئی ہندو ضرور منسٹری میں لیا گیا۔ لیکن اس کے خلاف اگر بہاریوں کو منسٹری میں کیا لیا جاتا۔ لیکن یہاں تو لب کشائی تک جرم تصور کیا جاتا رہا۔ متروکہ جائداد کا محکمہ مرکزی حکومت کی تحویل میں تھا یہ سنٹرل سبجکٹ ہے۔ لیکن اس کا اطلاق قیام پاکستان کے بعد مغربی پاکستان پر تو ہوا لیکن لیاقت علی مرحوم نے مشرقی پاکستان پر اس متروکہ قانون کا نفاذ نہ ہونے دیا۔ یہ ایک عجیب بات تھی۔ علیحدگی مشرقی پاکستان کی جانب ایک قدم اسے بھی سمجھیں۔ مرکزی محکمہ، مرکزی قانون ملک کے ایک خطہ پر نافذ ہوتا ہے دوسرے خطہ پر نہیں۔ کہا یہ جاتا ہے کہ نورالامین صاحب اور خواجہ ناظم الدین صاحب بضد رہے کہ متروکہ جائداد کے قانون کو مشرقی پاکستان پر نافذ نہیں ہونے دیا جائے گا۔ چنانچہ بنگالیوں کے دباؤ میں آکر لیاقت علی مرحوم نے ایسا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی ایک بنگالی رہنما نے کیا کسی ادنیٰ بنگالی نے بھی اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی۔ چنانچہ مشرقی پاکستان میں بسنے والوں کو بھی سندھ و پنجاب (مغربی پاکستان) میں کلیم کی زمین، دوکانیں اور مکانات ملے۔ آج جب بنگالیوں کا بنگلہ دیش آزاد مملکت کی حیثیت سے وجود میں آیا اور مجیب الرحمن نے اپنی حکومت بنائی تو اس میں دو وزراء ہندو لئے گئے۔ جس میں ایک کا نام منورنجن دھر ہے محکمہ امور پارلیمنٹری کے قلم دان کے انچارج ہیں انہوں نے بنگلہ دیش کی پارلیمنٹ سے باالتفاق رائے پاس کرا لیا کہ ہندوؤں کی جائداد جو ۱۹۶۵ء یا اس کے بعد چھوڑ گئے تھے واپس کی جائے گی آج وہ ہندو بنگالی واپس آرہے ہیں۔ خسارہ تاوان اور منافع واپس لے رہے ہیں۔ آج بنگالی آٹھ آٹھ آنسو رو رہے ہیں۔

خود کردہ را علاج نیست

یہ بہاری (غیر بنگالی) جو تمام تر اذیتوں، مخالفتوں، مصیبتوں اور بنگالیوں

کے مخالفانہ رویہ کے باوجود مشرقی پاکستان کو ہر طرح ترقی دیتے رہے۔ تجارت و حرفت کو فروغ بخشا۔ کارخانے لگائے اور ملیں لگائیں اپنی بے پناہ صلاحیتوں کا مظاہرہ کرکے زندگی کے ہر ہر شعبہء حیات میں ترقیاں دیں۔ اپنے ابا و اجداد کے صدیوں کی حاصل کی ہوئی دولت کو ہندوستان سے لاکر مشرقی پاکستان میں لگایا رونقیں بخشیں۔ نئی رنگت عطا کی۔ مشرقی پاکستان کی دولت میں بے پناہ اضافہ کیا۔ بنگالیوں کے ساتھ حسن اخلاق برتتے رہے۔ انہیں غربت کی مہیب کھائیوں سے نکال کر فروغ ایالی کی جانب لگایا۔ غربت کی زندگی سے نکال کر عشرت کی زندگی عطا کرنے میں بھرپور مدد کی۔ لیکن یہ چیزیں حریص و تنگ نظر بنگالیوں کو ایک نظر نہ بھائی۔ وہ بجائے قریب آنے کے کھینچے چلے گئے۔ آخر میں منعم خان جب گورنر ہوئے تو انہوں نے غیر بنگالیوں کے اس وقت تک مل و کارخانے لگانے یا کاروبار کرنے پر مکمل پابندیاں عائد کر دیں جب تک وہ غیر بنگالی کسی بنگالی کو اس نئے لگائے جانے والے مل اور کارخانے میں حصہ دار بناکر شریک نہ کرے۔ اب یہ رواج پذیر ہو گیا کہ جب کوئی غیر بنگالی نئے مل و کارخانے لگاتا تو کسی نہ کسی بنگالی کو حصہ دار کی حیثیت سے شریک کرتا اور وہ بنگالی بغیر ایک نئے پیسے لگائے ہوتے مل و کارخانے کا حصہ دار ہو جاتا اور اس طرح اس بنگالی کو موقع مل جاتا تھا کہ وہ ہمیشہ اپنے حصہ سے زیادہ ہی اس غیر بنگالی سے روپیہ برابر اینٹھتا رہے اور مسلسل نت نئے مسائل کھڑا کرتا رہے اس طرح پریشانیوں میں مستقل طور پر مبتلا رکھے۔

سرکاری اور نیم سرکاری دفاتر میں یوں تو تمام تر دروازے قطعی طور پر غیر بنگالیوں کے لئے بند کر دیئے گئے تھے۔ ایک دے دے کر بنک کی نوکریاں رہ گئی تھیں وہاں بھی منعم خان گورنر مشرقی پاکستان نے سخت حکم صادر فرما دیا تھا کہ کسی بہاری کی تقرری نہیں ہو گی اور اس حکم پر عمل ہوتا ہے کہ نہیں برابر تقرریوں کی رپورٹ طلب کر کے دیکھا کرتے تھے۔ منعم خان پاکستان سے الگ ہونا

پسند نہیں کرتے تھے لیکن بہاریوں (غیر بنگالیوں) کو ایک نظر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور بنگلہ زبان کی ترویج کو نماز روزہ سے زیادہ فوقیت دیتے تھے۔ یوں تو ۱۹۵۸ء سے کوئی اردو میڈیم اسکول (مشرقی پاکستان۔ بنگلہ دیش) میں کسی جگہ بھی قائم نہیں کیا گیا۔ جو قائم ہو چکے تھے اس کی حالت ناگفتہ بہ رہی۔ مالی امداد یا تو حکومت دیتی نہیں تھی یا اگر کچھ کسی اسکول کو مدد ملتی تھی تو انتہائی قلیل اس کے برعکس بجائے امداد دینے کے ہمیشہ بنگالی عوام اور صوبائی حکومت کے عتاب میں رہے۔ ویسے ہی اسکول ناکافی تھے۔ نئے اسکول قائم کرنے کی اس عظیم مخالفت کے خلاف کوئی سوچ نہیں سکتا تھا۔

۱۹۴۷ء میں جب قیام پاکستان وجود میں آیا۔ ڈھاکہ کے کمشنر شہاب رحمت اللہ صاحب تھے۔ انہوں نے مردانہ وار اپنا قومی فریضہ تصور کرتے ہوئے لٹے پٹے ہندوستان سے آئے مہاجروں کو تمامتر مخالفت کے باوجود بساتے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور کئی اردو میڈیم اسکول قائم کئے ان کی یہ بیش بہا خدمات ایسی ہیں جسے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی انہیں بڑی قیمت بھی چکانی پڑی بنگالی عوام اور مشرقی پاکستان کی حکومت کے تیور جوان کے خلاف تھے، ملحوظ رکھتے ہوئے ایوب خان صاحب نے انہیں ملازمت سے برطرف کیا ویسے وہ بڑی انتظامی اور علمی صلاحیت کے مالک تھے۔

اس سلسلہ میں دو ایک واقعات جو ذاتی تجربات پر منحصر ہیں تحریر کرتا ہوں۔

میں کراچی سے ۱۹۶۳ء کے نومبر میں ڈھاکہ گیا تھا اور بھائی ابوالہاشم صاحب چیف آرگنائزر مسلم لیگ کے گھر بطور مہمان مقیم تھا۔ ایک دن صبح کو ایک وفد محمد پور سے ملنے آیا۔ یہ لوگ محمد پور اردو میڈیم اسکول سے متعلق تھے انہوں نے شکایت کی ہم لوگوں کو صوبائی حکومت سے کوئی مالی مدد نہیں ملتی پھر بھی کس طرح اسکول چلا رہا ہوں۔ بس ہم لوگ سائنس کے طالبات کے لئے ایک لیبارٹری بنانا چاہتا ہیں

تاکہ طالبات کو پریکٹیکل کی جو دقتیں ہیں وہ دور ہو جائیں کچھ کا بندوبست ہم لوگ کرلیں گے، کچھ حکومت دیدے تو ہم لوگوں کا کام چل جائے گا۔ میں نے عرض کیا کہ میں منعم خاں سے تو کہنے سے رہا وہ کریں گے نہیں۔ ہاں اے ٹی۔ ایم مصطفیٰ صاحب میرے علی گڑھ کے دوستوں میں سے ہیں وہ مرکز میں وزیر تعلیم ہیں ان سے بخوشی کہہ سکتا ہوں کہ کوئی راستہ نکال سکیں۔ مجھے امید ہے میری زبان خالی نہیں جائے گی۔ مصطفیٰ مرحوم کو ایوب خاں مرحوم نے صوبہ سے نکال کر مرکز میں وزیر بھی منعم خاں کی دلجوئی کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا تھا۔ منعم خاں مرحوم مصطفیٰ مرحوم کو ایک نظر دیکھ نہیں سکتے تھے۔ منعم خاں مرحوم کے اصرار پر وہ صوبہ سے ہٹائے گئے تھے عام طور پر بنگالیوں میں مشہور تھا کہ مصطفیٰ مرحوم بہاری ہیں حالانکہ مرحوم کا بہاریوں سے کوئی تعلق کبھی کسی طرح کا نہیں تھا۔ وہ کلکتہ کے آبائی رہنے والے تھے پیرو بزرگ کا گھرانا تھا۔ ہاں گھریلو زبان ان کی اردو تھی۔ بہر کیف مصطفیٰ مرحوم سے میری دو تین دنوں بعد ملاقات ہو گئی۔ میں نے انہیں ساری داستان اسکول کی سنائی اور ان سے استدعا کی کہ کچھ پیسوں کا انتظام کر دو۔ انھوں نے بے ساختہ کہا۔ جی ہاں بھیا میں کر دوں گا، آپ کا حکم۔ وہ اسی طرح عام طور پر بولا کرتے تھے۔ اسکول میں ان کو چائے پر مدعو کرنے کی تیاری کی گئی۔ تاریخ معینہ پر جب دن سہ پہر کو وہ اسکول جانے والے تھے۔ اُسی دن صبح کے اتفاق اور آبزرور اخبارات نے اشتعال انگیز اسکول و مرحوم کے خلاف خبریں شائع کیں اور اداریے لکھے گئے کہ اگر مصطفیٰ صاحب نے اسکول میں روپیہ دیئے تو طوفان کھڑا کر دیا جائے گا۔ مصطفیٰ مرحوم ڈر گئے۔ اسکول کا پروگرام ملتوی کر دیا۔ سارا معاملہ ٹھپ ہو گیا۔ البتہ کچھ عرصہ بعد میری ان سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے کچھ بولنا چاہا۔ کہ وہ معذرت کرنے لگے اور کہنے لگے میں کام کر دوں گا۔ چنانچہ ماہ جون میں جب مالی سال ختم ہونے کو آیا تو مرکز سے انھوں نے پانچ ہزار روپیہ اسکول کے نام روانہ کر دیا۔

اسی طرح محمد پور میں اسکول کے لئے زمین کا مسئلہ درپیش آیا۔ ایک ہی

اسکول کی عمارت میں طلباء و طالبات کے اسکول شفٹوں میں چلائے جا رہے تھے۔ لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ اسکول میں جگہ کی تنگی سے لوگ از حد پریشان تھے۔ لوگوں کی خواہش تھی کہ اگر طلبا کا اسکول الگ کر دیا جائے تو مسئلہ کا حل نکل آئے گا۔ محمد پور میں بہت بڑا قطعہ زمین کا مختص کیا ہوا تھا۔ اسکول کے لوگوں نے مجھ کو صورت حال سے آگاہ کیا اور مطالبہ کیا کہ ہاؤسنگ کے منسٹر نواب ڈھاکہ حسن عسکری صاحب ہیں ان سے آپ کہہ دیں تو زمین دستیاب ہو سکتی ہے۔ میں نے نواب صاحب سے سارا ماجرا بیان کر کے استدعا کی وہ فوراً تیار ہو گئے یہ خبر بنگالیوں کو لگ گئی۔ بس کیا تھا آفت مچ گئی۔ نواب صاحب پر سبھی ٹوٹ پڑے وہ پریشان ہو گئے۔ فیصلہ کیا کہ نصف زمین اردو میڈیم والوں کو اور نصف زمین بنگلہ میڈیم والوں کو دے دیتا ہوں۔ وہاں بنگلہ میڈیم اسکول کئی تھے۔ انہیں ضرورت نہیں تھی بہر کیف نصف نصف کی بات ٹھہری تو اردو میڈیم والے تیار ہو ... بنگلہ میڈیم والے ساری زمینوں کے مدعی بنے رہے۔ زمین بہت زیادہ تھی دونوں اسکول بغیر کسی تنگی کے قائم ہو سکتے تھے۔ معاملہ بنگالیوں نے جناب گورنر صاحب منعم خاں مرحوم تک پہنچایا۔ انہوں ... لی اپنے پاس منگوا لی۔ اور ساری زمین بنگلہ میڈیم والوں کو صرف دی نہیں بلکہ شاندار عمارت بنا کر دی۔ آخری مرحلہ پہ یہ سارا معاملہ ایوب خان صاحب مرحوم تک پہنچایا گیا۔ انہوں نے منعم خاں کو کہا کہ اردو میڈیم اسکول کے لئے کوئی زمین ضرور دی جائے منعم خاں نے مجبوراً اسکول سے ملحقہ لیڈیز پارک کے لئے کچھ زمین دی تھی وہ پارک اسکول سے ملحق تھی۔ پارک کی زمین سے کچھ زمین لے کر اسکول والوں کو دے دی گئی۔

یاد ماضی عذاب ہے یارب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

انجینیرنگ و میڈیکل کالجوں میں تقریباً غیر بنگالیوں کا داخلہ بند کر دیا گیا تھا اردو میڈیم اسکول کی حالت زبوں رہی۔ میڈیکل کالج میں داخلہ کے خواہاں طلباء کی

فہرست مرتب کرتے تھے۔ شامت اعمال کہہ لیجئے ایک مستحق لڑکے کا نام اس لسٹ
میں درج ہو گیا وہ اتفاق سے بہاری تھا۔ بس کچھ منعم خاں کی نشان ابرو پر بل آ ہی
گیا۔ غصہ کی تاب نہ لاتے ہوئے انہوں نے ایک بہاری آفیسر کو چوبیس گھنٹہ کے
اندر اُس اعلیٰ عہدہ سے ہٹا کر ایسی جگہ لگا دیا جہاں عہدہ کی اہمیت صفر برابر ہو
اسی طرح زمین کی الاٹ منٹ میں کچھ اسی طرح کی تخصیص برتی جاتی تھی۔ مہاجر ٹیکس کے
پیسے سے خریدی ہوئی زمین کیوں نہ ہو۔ غیر بنگالیوں کو اس شکل میں زمین مل سکتی تھی جب
وہ حلف نامہ داخل کریں کہ ان درخواست کنندگان کے نام یا اس کے کسی قریبی لوگوں
کے پاس زمین نہیں ہے۔ لیکن بنگالیوں کو اس شکل میں ملے گی۔ اگر وہ تحریر کرے
کہ ڈھاکہ سے دس میل کے اندر کوئی پلاٹ نہیں ہے۔ اسی طرح نہ جانے کتنے تشخصیصی
قوانین مرتب کئے گئے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ دھان منڈی والی کوٹھی پر کچھ لوگ
رات کے کھانے پر مدعو تھے۔ جس میں غیر منقسم بنگال مسلم لیگ کے جنرل سیکریٹری
ابوالہاشم صاحب، ہاشم الدین صاحب، جسٹس جبار صاحب و دیگر مسلم لیگی زعماء

جسٹس جبار صاحب نے فرمایا کہ ہدیٰ صاحب آخر یہ مہاجر کب تک مہاجر
بنے رہیں گے۔ انہیں آپ سمجھائیں۔ یہ لوگوں میں گھل مل جائیں۔ میں نے جبار صاحب
سے عرض کیا جناب والا گھل مل رہنے کے اجزاء ترکیبی کیا ہیں۔ دوسرے مہاجر اس
اُس وقت تک مہاجر بنے رہیں گے جب تک حکومت بنائے رکھے گی۔

انہوں نے فرمایا یہ کیا۔

میں نے عرض کیا جناب آپ نے ابھی نئے نئے سیاست میں قدم رکھا
ہے۔ آہستہ آہستہ آپ دیکھیں گے کہ بہت سے امتیازی قوانین و اسکیم حکومت کی ہیں
جو اس خلیج کو وسیع تر کر رہی ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اُدھر سے ابوالہاشم صاحب
نے آواز دے کر فرمایا۔

ہدیٰ تم کس سے باتیں کر رہے ہو وہ تو سیاست کی زبان بھی نہیں سمجھتے تمہیں
سیاست پر باتیں کرنی ہوں ہو تو ہاشم الدین سے کرو۔ یہ برابر سیاست میں رہے

ہیں، منسٹر رہے ہیں انہیں سب ہی علم ہے۔

منعم خاں نے ہر ممکن کوشش کی، بنگالیوں کو کارخانے لگانے کے سلسلہ میں ہر طرح کی سہولتیں اور مراعات دینے کے لئے ہمہ دم مستعد رہتے ایک مرتبہ میمن سنگھ کی دو پارٹیوں کو چھبیس ۲۶ چھبیس ۲۶ لاکھ روپے کی دو جوٹ ملوں کے لگانے کی اجازت دے دی اور بنک نے روپیہ کا بندوبست بھی کر لیا۔ لیکن وہ بنگالی پارٹیاں جملہ مراعات کے باوجود ملیں لگانے میں کامیاب نہیں ہو سکیں۔ چنانچہ منعم خان دل برداشتہ مجھ سے کہنے لگے۔ بڑی صاحب یہ بنگالی ناکارہ ہوتے ہیں یہ کچھ نہیں کر سکتے۔ بتایئں میں ان کے لئے کیا سکتا تھا

۱۹۶۴ء میں بہار میں رانچی، ہزاری باغ، جمشید پور اور راول قلعہ (رزربہ) کے شہروں میں ہندو مسلم فساد کانگریس نے جان بوجھ کر کرائے تاکہ ان مسلمانوں نے یہ اور کارخانے و کوئلہ، برق دیگر کانوں اور ملازمتوں سے مجبور ہو کر نکل بھاگیں۔ ہزاروں مسلمان بے دردی سے شہید کر دیئے، ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ عرصہ حیات تنگ ہوتے دیکھ کر کچھ مسلمانوں نے مشرقی پاکستان کو جائے پناہ سمجھ کر ادھر کا رخ کیا۔ پہلے تو مشرقی پاکستان کی حکومت نے شدت کے ساتھ اس بھگدڑ کو روکنے کی سعی کی۔ مگر پھر بھی کچھ لوگ پاکستان آنے میں کامیاب ہو گئے۔ آنے والوں کے ساتھ حکومت نے ہر طرح کی شدت روا رکھی لیکن یہ بدنصیب واپس جانے پر رضامند نہ ہوئے ادھر ردعمل کے طور پر مشرقی پاکستان کے بہاریوں میں اشتعال پیدا ہوا یہ دیکھ کر منعم خان نے ایک کثیر تعداد میں بہاریوں کو پکڑ کر جیلوں میں بند کرنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ ۷، ۸ سال کے بچوں کو بھی نہ چھوڑا گیا۔ اچھی خاصی تعداد مسلم لیگیوں کی بھی چن کر پکڑ کر بلا کسی قصور کے جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ پولیس والوں کا معمول بن گیا کہ وہ ٹرک لے کر محمد پور، پھیرڈی بازار اور میر پور کے خاص خاص موڑوں پر علی الصبح کھڑی ہو جاتی تھی جو بہاری راہ گیر مل جاتا اُسے پکڑ کر ٹرک میں بٹھا لیتی۔ ان کو زدوکوب

کیا جاتا جو روپیہ نذرانہ کے طور پر پیش کرتے وہ چھوٹ جاتے ورنہ حوالہ جیل کیا جاتا
غرضیکہ پولیس والوں کو اچھی خاصی کمائی نکل آئی۔ لوگوں کا گھروں سے نکلنا
مشکل ہوگیا۔ مجھ سے یہ صورت دیکھی نہ گئی۔ نواب زادہ احسان اللہ صاحب سے
میں نے عرض کیا۔
الیکشن کمیٹی بنانی ہوگی۔
انہوں نے کہا جسٹس صاحب صدر مسلم لیگ ہیں ان سے مشورہ کروں۔
میں نے عرض کیا۔
جی ہاں مشورہ کرکے مجھے کل صبح بتائیں۔
دوسرے دن کہنے لگے وہ تیار ہیں چنانچہ الیکشن کمیٹی ترتیب دے دی گئی تاکہ
گرفتار شدگان کو رہا کرایا جا سکے۔ جب اس کی اطلاع منعم خان کو ملی تو وہ چراغ پا
ہوگئے۔
جبار صاحب کو بلا کر ڈانٹ پلائی اور کہنے لگے کہ الیکشن تو حکومت کے خلاف
ہوتی ہے جب نواب زادہ احسان اللہ خان نے یہ خبر سنائی
تو میں نے عرض کیا کہ
گورنر صاحب سے کہیں کہ
کمیٹی کا جو نام تجویز کریں رکھ لیں۔
مقصود تو ان معصوموں کو رہا کرانا ہے۔
لیکن آہستہ آہستہ میں نے محسوس کیا کہ یہ سب لوگ مخالفت کی تاب نہیں
لا سکتے۔ یکے بعد دیگرے کاندھا ڈالنے لگے۔
مجبوراً میں نے ایوب خان مرحوم سے فون پر رابطہ قائم کیا تو
ملٹری سیکرٹری نے دریافت کیا۔
میں نے ساری باتیں بتا دیں۔
انہوں نے ایوب خان صاحب کو ساری باتیں میرے حوالے سے بتائیں۔

مجھ کو یہ پیغام دیا گیا کہ میں یحییٰ خاں کمانڈر انچیف سے ملوں۔ ان کو ہدایت کر دی جائے گی۔

دوسرے دن یحییٰ خاں صاحب سے میری کافی دیر باتیں ہوئیں۔

انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ آپ منعم خاں سے نہ ملیں۔ میں بات کروں گا۔ بعد میں آپ کو بتاؤں گا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ دونوں میں سخت باتیں ہوئیں اور کچھ عرصہ بعد حالات کا جائزہ لینے کے لئے وحید خاں صاحب کو ڈھاکہ بھیجا گیا۔

میری بھی ان سے باتیں ہوئیں اور بظاہر یہ طے کر لیا گیا کہ سب رہا کر دیئے جائیں گے۔ لیکن بعد میں کچھ لوگ تو ضرور رہا کئے گئے لیکن زیادہ لوگوں کو کافی دنوں تک مصیبتیں جھیلنی ہی پڑیں، گورنر صاحب کے صاحبزادے اور داماد بہاریوں کے درپے آزار بنے رہے۔ گورنر صاحب کو مجھ سے یہ شکایت تھی کہ مجھے نظر انداز کر کے یعنی نہ مل کر انہوں نے پنڈی سے تعلق جوڑا ہے۔

میرا یہ کہنا تھا کہ وہ گورنر بھی اور محکمہ ہوم کے انچارج بھی انہی کے حکم پر یہ سب ظلم ہو رہا ہے۔ اب ظالم سے انصاف طلب کروں کیسی مذاق کی بات ہے۔ اس کے بعد میں نے حتی الوسع ان سے ملنے سے گریز کرتا رہا۔

اکثر و بیشتر انہوں نے ملنا بھی چاہا لیکن میں نے برابر احتراز کیا اس لئے بھی کہ وہ شخص انتہائی کج خلق اور بد تمیز تھا۔ اکثر لوگوں کے ساتھ برے طور سے پیش آیا کرتا تھا میں نے محسوس کیا کہ اگر انہوں نے میرے ساتھ کج خلقی دکھائی تو بہر بُرا ہو گا۔ میں بھی اسی لہجہ میں انہیں جواب دوں گا۔ بہتر ہے یہ تلخی کی نوبت ہی نہ آئے۔ جہاں تک مسلم لیگ سے وابستگی اور قیام پاکستان کے سلسلہ میں خدمات اور قربانیوں کا تعلق ہے تو وہ میرے پاسنگ میں آنے سے رہے۔

منعم خاں صاحب اب عام جلسوں میں بھی کہا کرتے تھے کہ اللہ کی رحمت دیکھئے کہ مجھ جیسے انسان کو ایوب خان صاحب نے گورنر بنا دیا۔ ان کی پالیسی کا نچوڑ یہ تھا کہ ایوب خاں صاحب کی خوب خوب خوشامدیں کر کے اُلو سیدھا رکھو۔ بہاریوں کا قلع قمع کئے رکھو۔ بنگلہ زبان، بنگالیوں اور مشرقی پاکستان کو ہر طرح فروغ بخشو۔ بنگالیوں میں کوئی مخالفت کرے تو بزور دبا دو۔ آخر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عام بنگالی بھی اس کے مخالف کیوں تھے۔ اس لئے کہ بظاہر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے ساتھ وہ نہ تھے۔ ایوب خان کے زمانہ میں منعم خاں کے ہاتھ خوب خوب ترقیاں ہوئیں لیکن عام بنگالیوں کا خیال تھا کہ ہم لوگ غلام ہیں اور غلامی کی گرہ کو مضبوط کرنے کے لئے یہ کرم فرمائیاں ہیں اسی لئے ایوب خان اور منعم خاں بنگالیوں میں مقبولیت حاصل نہ کر سکے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ بنگالی زبان کی ترویج اور بہاریوں پر ظلم بھی در پردہ علیحدگی کی تحریک کو تقویت پہنچانے کے مترادف تھی ہیں بعد میں تفصیل سے عرض کروں گا کسی بنگالی راہنما نے بنگالیوں کے مسائل کی نشاندہی کرانے اور بنگال کو یہ نہیں ملا اور بنگال کو وہ نہیں ملا کے سوائے جملہ مسائل پاکستان پر کبھی لب کشائی نہیں کی۔ تنگ نظری اور عصبیت سے ہر بنگالی کا قلب و نظر متاثر تھا۔ اس لئے سوائے بنگالی زبان اور بنگالیوں کے مسائل سے ہٹ کر کبھی بات کرنا ہی پسند نہیں کرتے تھے۔

مولانا راغب احسن کے صاحب زادے کی ملازمت کی بات پلاننگ کمیشن پاکستان میں آئی تو جملہ بنگالی افسران نے اس لڑکے کی ملازمت کی سخت مخالفت کی۔ بنگالیوں کا کہنا تھا کہ اسے ہم لوگ مشرقی پاکستانی تسلیم نہیں کرتے لیکن مغربی پنجاب کے چند افسران کے اصرار پہ کسی طرح اس لڑکے کی ملازمت ہو گئی۔ اب سنیئے مولانا راغب صاحب کی حیثیت قیام پاکستان سے قبل کلکتہ میں کیا تھی۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم سے لے کر اعلیٰ تعلیم تک سب کلکتہ میں حاصل کی۔ خلافت تحریک سے لے کر قیام پاکستان کی ساری جنگ کلکتہ میں بیٹھ کر لڑی۔ ہندوستان کی ہر

اسلامی و مسلم تحریک میں پیش پیش رہے کلکتہ میں جن کی شخصیت نکھری ہوئی تھی ، مولانا راغب احسن صاحب ، جناب عثمان صاحب ، عثمان صاحب برصغیر (غیر منقسم ہندوستان) کے سب سے بڑے شہر کلکتہ کے مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری تھے ۔ کلکتہ وہ شہر جو سارے بنگال کی سیاست پر مکمل طور پر اثر انداز تھی ۔ اتنا بڑا محسن قوم آج انتہائی عسرت اور کس مپرسی میں اپنی زندگی کے آخری لمحو کا ایک تنگ مکان واقع شیر شاہ کالونی میں انتہائی بے چینی سے انتظار کر رہا ہے ۔ مجھے ان کی بیماری کا جونہی علم ہوا فوراً ملاقات کرنے گیا ۔ مجھ سے مل کر وہ بیس منٹ تک زارو قطار روتے رہے ۔ میں اپنی مالی پریشانی کے تحت اب جب سے المیہ بنگلہ دیش نے مجھے بھی تو کہیں کا نہ رکھا ۔ میری قوم کے تجار اور ذی حیثیت لوگ مجیب اور بھاشانی جیسے لوگوں کو تو بغیر مانگے رقم بھجوا سکتے ہیں لیکن ایسے محسن قوم کے لئے نہ تو حکومت کے پاس کچھ ہے اور نہ قوم کے کسی فرزند کو توفیق ۔ میری قوم زندگی میں قدر نہیں کرتی ۔ مرنے کے بعد کفن اور مزار کے لئے پھول تو مہیا کر سکتی ہے ۔ بہر کیف میری قوم کا یہ قومی کردار ہے ۔ کیا کیا جائے ۔

ان کی تنگ دستی اور پر درد زندگی ان کی ایمانداری ، راست بازی اور بے لوثی کی جانب اشارہ کرتی ہے ورنہ کلکتہ کا سابق میئر اور مسلم لیگ کا عظیم رہنما اور یہ حالت ۔

عثمان صاحب نے نہایت رقت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ

مشرقی پاکستان کے المیہ نے تندرستی کو اس طرح متاثر کیا ہے کہ اب جانبر ہونے کی توقع نہیں ۔ بنگال کے مزاج و نفسیات سے میں واقف تھا ۔ مجیب کی حرکتوں کا مجھے علم تھا ۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ پاکستان کو برباد کرے گا ۔ بہاریوں پر عذاب بن کر نازل ہوگا ۔ میں قیام پاکستان کے بعد کلکتہ سے نکل کر مشرقی پاکستان میں قیام کرنا مناسب تصور نہیں کیا ۔ میرے بنگال کے تجربات کا یہی تقاضا ہے عثمان صاحب (سابق کلکتہ کارپوریشن کے میئر) اور عبدالجبار وحیدی صاحب مرحوم کلکتہ کی ساری

سیاست انہیں لوگوں کے گرد گھومتی تھی، سارے کلکتہ میں مقیم بہاریوں جو کہ کلکتہ میں آباؤ اجداد سے بسے ہوئے تھے ساتھ لے کر سر پر اٹھائے پھرتے تھے۔ ایک اخبار مولانا شائق احمد عثمانی صاحب کا تھا جو کہ قصبہ بہتی رہیا گیلوری کے تھے۔ روزنامہ عصر جدید کے نام سے موسوم تھا۔ وہی گویا مسلمانوں کا ترجمان سمجھا جاتا تھا اور اشاعت بھی کثیر تھی۔ ان لوگوں کی حیثیت ایسی تھی کہ کوئی شخص یا پارٹی ٹکرانے کی جرأت کیا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کلکتہ میں ان لوگوں کی مرتب کی ہوئی مسلم لیگ پر مکمل تسلط تھا اور کلکتہ کی سیاست سے پورے بنگال کی سیاست متاثر تھی شہید سہروردی صاحب اکثر راغب احسن صاحب کو میرا ڈکٹیٹر کہہ کر یاد کیا کرتے تھے بنگال میں مسلم لیگیوں کے لئے لٹریچر یہی مہیا کیا کرتے تھے انہیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہوتا تھا۔ ڈھاکہ میں خود ایک بار کہنے لگے زندگی بھر اتنا لکھ چکا ہوں کہ انگلیوں کی ساخت تبدیل ہو کر رہ گئی ہے۔ غرضیکہ مندرجہ بالا تینوں راہنماؤں کے دبدبہ سے سارا کلکتہ لرزتا اور کانپتا تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ ۱۹۴۶ء میں جب بہار میں کانگریس نے مسلم لیگ اور مسلمانان ہند کو مرعوب و مغلوب کرنے کے لئے کہ اب مزید پاکستان کا مطالبہ کیا تو یہ نوبت بھی آسکتی ہے۔ فقط آبڑے پیمانے پر فساد کرایا گیا۔ ہزاروں مسلمان بلا کسی تمیز کے موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ اتنے بڑے پیمانے پر ہندوستان میں ہندو مسلم فساد نہیں ہوا تھا۔ آبادی کی آبادی اور علاقہ کا علاقہ صاف کر دیا گیا، آبادیاں ویرانہ میں تبدیل کر دی گئیں۔ بستیاں اُجھاڑ دی گئیں۔ مال و متاع لوٹ لیا گیا اور سارا جور و ظلم، قتل و غارت گری اور لوٹ گھسوٹ۔ نواکھالی میں بنگالی مسلمانوں نے وہاں کے بنگالی ہندوؤں کیساتھ تشدد سے پیش آئے تھے اس کی قیمت بہار میں بہاری مسلمانوں سے چکائی گئی۔ چنانچہ ہندوؤں کا نعرہ ہی یہ تھا کہ نواکھالی کے ہندوؤں کے خون کا بدلہ لے کے رہیں گے۔ ہندوستان بھر کے مسلمانوں نے ہمدردی کا اظہار کیا۔ وفد آئے۔ ریلیف لے کر آئے۔ سب سے پہلے کلکتہ

سے ریلیف لے کر لوگ آئے جن میں مولانا راغب احسن صاحب، عثمان صاحب ملا جان محمد، بیگم اختر سلیمان صاحبہ۔ این۔ ایم خان صاحبان وغیرہ وغیرہ تھے پنجاب سے بھی بہم وفد آتا رہا۔ جب میں علی گڑھ سے ایک وفد کو لے کر امدادی سامان کے ہمراہ آیا اور حسن منزل میں ٹھہرا تو وہیں لال خان ایم ایل اے، میاں امیر الدین صاحب اور دو وزیر اور ایم۔ ایل اے آئے ہوئے تھے ان سے حسن منزل ہی میں سب سے پہلے ملاقات ہوئی۔ اس وقت بھی پٹنہ میں رات کو کرفیو لگا رہتا تھا۔ لال خان کہنے لگے بیٹے کام کرنے آئے ہو ٹھیک ہے بازار کی چیزیں نہ کھانا۔ ہندو زہر ملا دیا کرتے ہیں۔

مسلم یونیورسٹی میں سب سے پہلے میں، ابو المحسنات صاحب، شہاب الدین مغنی صاحب اور اختر حمید صاحب ریٹائرڈ آئی۔ سی۔ ایس جو مغنی صاحب کے یہاں تقریباً شام کو ایم۔ ایم ہوسٹل میں آیا کرتے تھے۔ شہاب الدین مغنی صاحب با وقار پر خلوص اور با صلاحیت سنیئر کی حیثیت سے مشہور تھے۔ ابو المحسنات صاحب اور میرا تعلق مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن سے تھا۔

غرضیکہ بہار کی صورت حال کے پیش نظر ریلیف کا سامان اور وفد بھیجنے کی ابتدا ہی کی تھی کہ اے ٹی ایم مصطفیٰ مرحوم اور مفتی ادریس صاحب آئے مصطفیٰ مرحوم کا تعلق یونین سے اور مفتی ادریس صاحب کا تعلق یونین اور مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن دونوں سے تھا کہنے لگے بہار کے مسلمانوں پر جو افتاد پڑی ہے وہ تو سارے ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے۔ ہم دونوں کو آپ لوگ اجازت دیں کہ اس ریلیف کے کام کو یونین کے پلیٹ فارم سے سرانجام دوں۔ ہم لوگوں نے اسے تسلیم کر لیا۔ سبھوں نے مل کر یونین کے پلیٹ فارم سے کام شروع کیا۔ ہم لوگ تو شب و روز لگے ہوئے تھے ہی مفتی ادریس صوبہ سرحد سے تعلق رکھتے تھے۔ غریب ہوسٹلوں سے کپڑے وصول کرتے اور جمع کر کر کے اپنے سر پر بڑے بڑے گٹھر لا لا کر اکٹھا کیا کرتے تھے پر خلوص، پر جوش مقرر بھی تھے۔ مجھے یاد ہے کہ چھتیس ہزار روپیہ لڑکوں، استادوں

اور طالبات سے وصول کر کے قائد اعظمؒ کے ریلیف فنڈ میں دیا گیا۔ یہ رقم قائد اعظم کے حوالے کی گئی۔ کپڑے اور دس ہزار روپیہ ہم لوگ پٹنہ لے کر روانہ ہوئے۔ میرا چونکہ بہار کی مسلم لیگ، مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور مسلم لیگ نیشنل گارڈ کی تنظیموں سے پرانی گہری وابستگی رہ چکی تھی۔ اس لئے مجھے بہار میں ریلیف کے کام کرنے میں زیادہ آسانیاں تھیں۔ وفد میں شریک لڑکوں سے عہد کرایا گیا تھا کہ جب تک ریلیف کا کام بحسن وخوبی اختتام کو نہ پہنچ جائے کوئی شخص گھر کا رخ نہیں کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ایک سوال یہ اٹھ کھڑا ہوا کہ علی گڑھ کے طلباء کو کہاں اور کس کام پر لگایا جائے دو ضلع فساد سے زیادہ متاثر ہوئے تھے ایک پٹنہ اور دوسرا مونگیر اسے طے کرنے کے لئے ایک میٹنگ گرانڈ ہوٹل، جہاں ناظم الدین صاحب، فیروز خاں نون اور راغب صاحب بھی وہیں ٹھہرے ہوئے تھے، ہوئی۔

اُس میٹنگ میں ناظم الدین صاحب فیروز خاں نون صاحب، جعفر امام صاحب منظہر امام صاحب، قاضی سعید صاحب اور مسٹر یونس صاحب اور حسنات صاحب شریک ہوئے۔ میں نے مشورہ دیا کہ علی گڑھ طلباء کو ریلیف کے کسی ایک شعبہ کو سنبھالنے کو دے دیا جائے جس میں کام نہیں ہوا۔ یا پھر کسی دوسرے ضلع بھیج دیا جائے۔ جہاں مجموعی طور پر کم کام ہوا ہے۔ چنانچہ میری بات تسلیم کر لی گئی اور فیصلہ ہوا کہ علی گڑھ کے طلباء مونگیر ضلع میں سارا کام سنبھال لیں۔ چنانچہ طلبہ علی گڑھ، متاثرہ علاقہ کھڑگ پور، تارا پور، لکھن پور وغیرہ کیمپوں میں تین چار ماہ کی مدت قیام کرنا پڑا۔ حکومت بہار کے افسران کے رویہ کے مدنظر جھڑپیں بھی ہوئیں۔ ہاں جب مسلمانوں کے پاکٹ بنانے کی تجویز زیر بحث آئی تو کچھ ایسی باتیں ہوئیں۔

جس پر میں نے عرض کیا۔

کہ مولانا راغب صاحب کہاں ہیں ان سے دریافت کر لیں۔

خواجہ صاحب نے کہا وہ کمرہ میں آرام کر رہے ہیں۔

میں نے عرض کیا اُٹھا دیں

فوراً خواجہ صاحب گھبرائے ہوئے اٹھے اور کہنے لگے نہیں نہیں مولانا خفا ہو جائیں گے۔

اسی طرح دوسرے ہی دن عزیز ملت مسٹر عبدالعزیز صاحب سے ان کی کوٹھی دلکشا سے مل کر آ رہا تھا کہ گرانڈ ہوٹل کے گیٹ پر کچھ دیہات کے آدمی اپنی پریشانیاں سنانے کو خواجہ صاحب سے ملنے آئے تھے۔ خواجہ صاحب سے ملنا محال تھا۔ تیسری منزل پر قیام پذیر تھے۔ مجھے گیٹ پر روک کر دیہاتیوں نے اپنی پریشانیاں بیان کیں۔ اور خواجہ صاحب سے ملاقات نہ ہونے کا شکوہ بیان کرنے لگے۔ خواجہ صاحب بھی مل گئے۔

میں نے غصہ میں عرض کیا

کہ کیوں تین منزلہ پر ہی بیٹھ کر قوم کی خدمت ہو گی۔

ذرہ پریشان ہوتے ہوئے کہا کیا ہوا۔ بتاؤ بتاؤ۔

میں نے کہا نیچے جائیں اور سنیں لوگ کیا کہتے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے فوراً گیٹ کے پاس کمپاؤنڈ میں کیمپ لگوایا اور قاضی الیاس صاحب کو متعین کیا کہ درخواستیں لوگوں سے لے لیا کریں۔ اور ضرورت پڑے تو مجھے بلا لیا کریں۔ اسی زمانہ میں بہار کی مسلم لیگ نے ایک تجویز منظور کی تھی اور ایک تاریخ کا تعین کیا۔ تاریخ ذہن میں نہیں کہ اس تاریخ تک مسلمانوں کے پاکٹ بنانے کے سلسلہ میں حکومت نے خاطر خواہ جواب نہیں دیا تو بہار کے مسلمانوں کو مسلم لیگ اجازت دے دے گی کہ وہ اپنی خواہش کے مطابق جہاں چاہیں جا کر بس جائیں۔

خواجہ صاحب سے ایک دن میں نے مذاقاً کہا

کہ خواجہ صاحب تیار رہیں بنگال ہی کا رخ کروں گا۔

چہرے پر ایک رنگ آنے لگا اور ایک جانے لگا۔
کہنے لگے نہیں بنگال میں گنجائش کہاں ہے یہیں کسی طرح رہنا چاہیئے۔
دیکھیئے پنجاب کی بیگم تصدق کچھ بچوں کو پنجاب لئے جا رہی تھیں میں نے اُترو لیا ہے۔ ہاں خواجہ ناظم الدین کو میں نے اس کے لئے تیار کر لیا ہے کہ علی گڑھ میں بہار کے وہ طلبہ جن کے والدین فساد سے متاثر ہوئے ہیں اور مالی پریشانی کے شکار ہیں بہار امدادی فنڈ سے مدد کریں مگر ابھی نہیں میں آئندہ ماہ کورٹ کی میٹنگ میں شرکت کے لئے آؤں جب یاد دہانی کرائیں گے۔ چنانچہ میٹنگ میں شرکت کے لئے جب وہ علی گڑھ آئے اور یونین ہال سے باہر نکلے۔
میں نے برجستہ کہا۔
کہ خواجہ صاحب وعدہ وفا کیجیئے۔
مجھے گاڑی میں بٹھا کر کرنل حیدر صاحب کی کوٹھی پر لے گئے چونکہ وہ وہیں مقیم تھے۔ بیگم کرنل حیدر، ممتاز آپا پرنسپل گرل کالج سے خواجہ صاحب کی قدیمی رشتہ داری تھی۔
بہر کیف اسٹریچی ہال میں آج سہ پہر جلسہ میں زاہد حسین صاحب سے انہوں نے کہہ دیا۔
زاہد حسین صاحب نے فرمایا
فکر مت کرو کوئی بہار کا طالب علم پیسے کی مجبوری کی وجہ سے امتحان نہ دے سکے یہ نہیں ہوگا۔
زاہد صاحب کو بعد میں خواجہ صاحب نے چیک بھیج دیا تھا ویسے زاہد صاحب سے میرے تعلقات انتہائی اچھے ہو گئے۔ اس تعلقات اچھے ہونے کے پیچھے ایک تاریخ ہے۔ موضوع بحث یہ نہیں ورنہ میں لکھتا۔
یہ عام لوگوں کے علم میں ہے کہ بہار، بنگال، آسام اور اڑیسہ ایک ہی صوبہ متصور ہوتے تھے۔ سرحدیں الگ الگ تھیں لیکن انتظامی لحاظ سے

ایک ہی تھا۔ مالدہ مرشد آباد اور موجودہ بنگلہ دیش میں اکثریت مسلمانوں کی تھی لیکن ہر طرح سے ہندوؤں کا تسلط تھا۔ مسلمان، ذہنی، فکری، تعلیمی معاشی معاشرتی اور تمدنی حیثیت سے پست تھے انہیں احساس زیاں تو در کنار احساس حیات تک نہ تھا۔ غربت و افلاس ان کا مقدر تھی۔ ہندوؤں کا ظلم و تشدد معراج پر تھا۔ مسلمانوں کے ابھرنے تمام تر امکانات مفقود تھے کوئی راہ ہندوؤں کی غلامی سے نکلنے کی دور دور تک نظر نہ آتی تھی۔ سارے ہندوستان کے مسلمانوں کو اس صورت حال کے پیش نظر تشویش رہا کرتی تھی سر علی امام مرحوم بار ایٹ لا جو کہ بیدار مغز اور دور رس نگاہ کے مالک تھے۔ حساس طبیعت کے ساتھ ساتھ مسلم دوستی سے ان کا سینہ منور تھا۔ ہندوستان میں چوٹی کے لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ اثر در سوخ اور ذرائع و وسائل کے مالک بھی تھے۔ انہوں نے مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو ہندوؤں کی غلامی سے نجات دلانے کی ٹھانی اور اپنے اثر و رسوخ اور ذرائع و وسائل کو بروئے کار لا کر ۱۹۰۵ء میں بنگال کو ہندو اکثریتی علاقہ اور مسلم اکثریتی علاقہ یعنی مشرقی بنگال کو جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی الگ کرا دیا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ یہی سر علی امام نے حیدر آباد دکن کے نواب کو مشورہ دیا تھا کہ آس پاس کے صوبوں کے مسلمانوں کو اسٹیٹ میں بسائیں اور مراعات دیں تاکہ مسلمانوں کی اقلیت کو اکثریت میں تبدیل کیا جا سکے تو نواب حیدر آباد دکن نے چوبیس گھنٹہ میں اسٹیٹ سے نکل جانے کا حکم صادر فرما دیا۔ آنے والے دور نے دنیا پر عیاں کر دیا کہ سر علی امام مرحوم بار ایٹ لا کی دور رس نگاہیں درست تھیں یا نظام حیدر آباد کی بکواس۔ یہ مسلم اکثریت میں تبدیل نہ کرنے کا مزہ ہی تو تھا کہ تقسیم ہندوستان کے بعد نہرو حکومت نے حیدر آباد پر پولس ایکشن کر کے قبضہ بھی کر لیا۔ ریاست آصفیہ کا فرماں روا اسانس تک نہ لے سکا۔ کہاں گئیں روایات آصفیہ کہ یہاں ہندو مسلمان میں تفریق نہیں کیا جاتا

آج نہ سلطنت آصفیہ رہی، نہ عثمان علی خان اور نہ روایات آصفیہ)

اب کیا تھا ہندو آگ بگولا ہوگیا ادھر مسلمانوں میں چونکہ ہندوؤں کی غلامی کا تصور رگ و پے میں حلول کر چکا تھا۔ احساس حیات تک مردہ ہو چکا تھا آزادی کی لذت کا تصور بھی ایک عذاب متصور کیا جاتا تھا۔ جب سر علی امام صاحب مرحوم نے اچھی طرح محسوس کر لیا کہ متحدہ بنگال کی تحریک نہیں تھم سکتی تو مجبوراً با دل نخواستہ بہار و اڑیسہ کو ۱۹۱۱ء میں بنگال سے الگ کرا لیا۔ یہ بات ہوتی رہی کہ بنگالی مسلم عام ہندوستانی کے بجائے بنگالی ہندوؤں کو اپنے قریب سمجھتا ہے۔

"صدیوں کی غلامی نے کمر توڑ دیا تھا"

یہی بنگالی مسلم بے بسی، بے کسی یاس و نا امیدی اور غربت و افلاس کی عمیق و مہیب غار میں ہچکیاں لے رہی تھی، کراہ رہی تھی۔ ذلت و رسوائی سے جب نجات دلائی گئی تو ذرا ہی کچھ مدت بھی گذرنے نہ پائی تھی کہ ہندوؤں کے ساتھ مل کر متحدہ بنگال کے لئے تحریک شروع کر دی۔ محسنوں کے نام لعن و طعن الزام تراشیاں اور فتنہ پروری شروع کر دی۔ افترا پردازی اور غلط پروپیگنڈہ میں دنیا اس بنگالی قوم جیسی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

بہر حال اس صورت حال کو دیکھ کر مسلم انڈیا کا درد مند طبقہ کو تشویش ہوئی مسلم زعماء و مفکر اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی میٹنگ ڈھاکہ میں طلب کی۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی میٹنگ ایک بہانہ تھا در اصل سیاسی صورت کا جائزہ لینا تھا اور سیاسی حل مسلم بنگال کے لئے تلاش کرنا تھا۔

ابتداء ہی سے یہ خطہ مسلم انڈیا کے لئے دردسری کا باعث بنا رہا۔ بہر کیف مسلم انڈیا کا اہل فکر طبقہ معہ علی گڑھ کے محسن الملک، وقار الملک و دیگر علی گڑھ کے دانشمندوں کا قافلہ اُفتاں و خیزاں ڈھاکہ آگیا اور انتہائی فکر کے بعد عام طور

مسلمانوں کے سیاسی مسائل اور خصوصی طور پر متحدہ بنگال کی تحریک کو خیرباد کہنے کی خاطر مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی۔ چونکہ خصوصی طور پر مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو ہندوؤں کی دسترس سے بچانا مقصود تھا چنانچہ ضرورت کے پیش نظر یہ ضروری تصور کیا گیا کہ اسی خطہ کا صدر ہو تو بہتر ہے۔ جملہ زعماء کے اصرار پر نواب ڈھاکہ نے صدر بننا منظور کر لیا۔ محسن الملک جنرل سیکریٹری مسلم لیگ کے رہے۔ حکیم حبیب الرحمٰن جوائنٹ سیکریٹری بنے۔ نواب ڈھاکہ اور حکیم حبیب الرحمٰن صاحب بھی بنگالی نہیں تھے۔ بلکہ بنگالیوں کی اصطلاح میں بہاری تھے جو ڈھاکہ میں بود و باش اختیار کر لیا تھا۔ مرکزی دفتر مسلم لیگ کا علی گڑھ رہا۔ غرضیکہ منبع و مرکز روشنی بخشنے کا علی گڑھ رہا۔

بہر حال قیام پاکستان کے آخری مرحلہ پر بھی علی گڑھ ہی نے ملت کی کشتی کو پار لگانے کے لئے دانشمندوں اور طلبہ نے سارے ہندوستان کو سر پہ اٹھا لیا تحریک پاکستان کو آخری منزل پہ پہنچانے کا سہرا علی گڑھ ہی کے سر رہا۔ اور یہ ایک ناقابل فراموش تاریخی حقیقت ہے کہ علی گڑھ سے مسلم انڈیا کو مسلسل روشنی ملتی رہی۔

ماضی کی تاریخ کی اگر ورق گردانی کی جائے تو یہ چیز عیاں ہو جائے گی، کہ سلطنت مغلیہ کے وقت ہی سے بنگال کی بغاوت اور غداری کی داستان چلی آتی ہے حکومت دہلی پریشان رہا کرتی تھی ایک بغاوت کو مکمل طور پہ فرو ہوئے کچھ ہی عرصہ گذرتا تھا کہ دوسری بغاوت کی تیاریاں شروع ہو جاتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان پر تسلط کی بنگال سے ابتداء کی۔ انگریزوں نے مکر و فریب سے ابتداء کی اور بعد میں طاقت استعمال کی۔ شاہ عالم سے دیوانی لے لی۔ وہی پہلا قدم ہندوستان پر انگریزوں کے تسلط کا تصور کیا جاتا ہے۔

انگریزوں نے مکمل طور پر اپنا قبضہ جمائے رکھنے کی خاطر زمینوں کا بندوبست بندوبست استمراری سے کیا۔ عوام کو زمینداروں اور رعیتوں میں منقسم کر دیا۔ زمینداروں کو مالگذاری (لگان) وصول کرنے کا حق تفویض کر دیا۔ رعیتوں کا

رشتہ زمینداروں سے رہا اور زمیندار انگریزوں سے منسلک رہے اس طرح یہ زمیندار انگریزوں کے مستقل طور پر علم بردار اور حاشیہ بردار بنے رہے۔ عام عوام بھی اس طرح منقسم ہو کر رہ گئے۔ زمینداروں کی سرپرستی انگریز کرتے رہے۔ زمیندار انگریزوں کی شہ پر عام عوام پر ظلم و تشدد برقرار رکھنا اپنا حق تصور کرتا تھا۔ یہ بندوبست استمراری پورے بنگال۔ یعنی، بنگال، بہار، اڑیسہ اور آسام پر نافذ کیا گیا تھا۔

بہار میں زیادہ تر زمینداریاں مسلمانوں کے ہاتھوں تھیں اور بنگال میں انگریزوں نے ہندو بنگالی کو زمینداریاں حوالہ کر کے مسلمان بنگالی پر مسلط کر دیا تھا مسلمان چونکہ فطری طور پر فراخدل اور انسانیت نواز ہوتا ہے اس لئے بہار کے ہندوؤں پر مسلمانوں نے ظلم و تشدد روا نہیں رکھا۔ بلکہ مخلصانہ، منصفانہ اور فیاضانہ طور پر روا رکھا۔ چنانچہ ہندوؤں میں ایک ذات، کائستوں کی تھی جو مسلمانوں ہی میں گھلے ملے رہتے تھے۔ اردو فارسی پڑھتے تھے اور لکھتے تھے۔ اردو میں لکھتے اور بولتے تھے۔ کھانے پینے میں مسلمانوں کے ساتھ کوئی پرہیز نہیں کرتے تھے زمینداریوں کی دیکھ و بھال اور حساب کتاب بھی کیا کرتے تھے۔ اس حد تک کیفیت ہو گئی تھی کہ زمینداروں کو یہ پتہ ہی نہ ہوتا تھا کہ ان کی زمینداریاں کہاں کہاں اور کتنی ہیں اس کا پتہ بھی کائستھ ہی رکھتے۔ مسلمانوں کا بھروسہ ہندو کائستوں پر حد سے تجاوز کر چکا تھا۔ مسلمان زمیندار عام طور پر بعد میں ہندو کائستوں کے دست نگر بن کر رہ گئے۔ مسلمان زمیندار لہو و لعب کے شکار ہو گئے تھے۔

ادھر بنگال میں انگریزوں نے زمینداریاں عام طور پر ہندو کو دے کر مسلمانوں کو صریح و صاف الفاظ میں کہنا چاہیئے۔ ہندوؤں کا غلام بنا رکھا تھا۔ ہندو ایک عظیم لعنت، اور مستقل عذاب بن کر نازل رہا۔

ہندو زمینداروں نے مسلمانوں کے منہ پر تالے اور پیر میں بیڑیاں پہنا رکھی تھیں۔ ہندوؤں نے ان پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ابھرنا تو درکنار

لس سے مس کرنے کی اجازت نہیں۔ ہندو کی غلامی اور خدمت گاری ان کی مقدر بنادی گئی تھی۔ اتنی پستی کی جانب انہیں دھکیل دیا گیا تھا کہ جہاں سے پلٹنا محال ہی سمجھا جاتا۔ اتنی بڑی مسلم آبادی اور اتنی بے بس کہ جہاں احساس حیات تک مفقود، جہاں آزادی کا تصور ایک جرم عظیم اور ایک بدترین گناہ سمجھا جانے لگا۔

یہی وہ حالات تھے جس نے سرعلی امام مرحوم بار ایٹ لا، اور محسن الملک، جیسے دردمندوں کو مجبور کیا تھا کہ وہ مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو ہندوؤں کے تسلط سے نجات دلائیں لیکن یہاں تو

"جس کے لئے کر دچوری وہی کہے چور"

ادھر مشرقی بنگال میں مدرسے بہت، ہندوستان کے دیگر خطوں سے پیروں کے آنے کا سلسلہ مسلسل جاری رہا۔ پیروں کو روزگار چمکانے کی فکر زیادہ رہی اگر انہیں تبلیغ اسلام کی فکر ہوتی تو یہ دن دیکھنے میں نہ آتا۔ اسلامی اسپرٹ، اسلامی برادری اور اسلامی لگن سے عام لوگ عاری نہ ہوتے۔ اس لیۓ وہاں زیادہ تر لوگ مولوی ہیں یا لوگ کسی نہ کسی پیر کے مرید۔ ادھر پچیس سال تک اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں یوں سمجھیں۔ اسلامی تعلیم کیا کسی طرح کی تعلیم ہی نہیں ہوئی وہاں تو بہترین غنڈے، مشاق لیڈرے اور سنگندل و سفاک قاتل تیار کئے گئے تمام تر برائیوں کی جڑ بنگلہ زبان۔ جب تک انہیں اشلوک و وید سے متاثرہ زبان بنگلہ سے نجات نہیں ہوگی۔ انہیں ہندو بنگالیوں سے نجات نہ مل سکے گی۔ یہ انسان نہ بن سکیں گے۔ اسپرٹ اسلامی کی لذت سے بہرور نہ ہو سکیں گے۔ اس بنگلہ زبان سے دور رکھنے اور اردو زبان سے پاکستانی قوم کو قریب کرنے کا احساس ٹھوس تھا جب ہی تو

قائد اعظم رحمۃ نے برملا فرمایا تھا کہ

بنگال سے دست بردار ہونا قبول ہے، لیکن بنگلہ زبان کو قوم پر۔

تھوپنا منظور نہیں۔

میر جعفر کی غداری اور اس کا حشر دنیا والوں نے دیکھی لارڈ میکالے نے اپنا تاثر بنگالیوں کے بارے میں یوں دیا ہے اگر میکالے اس دور میں ہوتا تو کچھ اور زیادہ ہی لکھتا۔

"Chicanary. purgery and forgery are the deceiptful weapons of a Bengali. As the horn is to the bull and the sting is to the wasp so deceipt and treachery are to a Bengali."

LORD MACAULAY

مشہور انگریز مورخ ڈوے اسٹیمپ بھی بنگالیوں کے بارے میں کچھ اسی طرح رقمراز ہے۔

نفسیات بنگالی مسلم

بنگالیوں کی نفسیات کا اگر بہ نگاہ تعمق مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کی سرشت میں غداری، فتنہ پردازی، اریا دکر۔ فریب و فساد، کوتاہ نظری دا ختراع پردازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ ان کے مزاج میں ہمیشہ تلاطم ہوتا ہے جذباتی بھی حد درجہ ہوتے ہیں۔ انجام پہ نظر نہیں رکھتے۔ حقیقت کو سمجھتے ہوئے بھی نظریں بچاتے ہیں۔ عقل پر جذبات کا مکمل قبضہ ہوتا ہے۔ باتوں کو سمجھتے ہوئے بھی نہیں سمجھتے۔

ہر تحریک طوفان کی مانند چلتی ہے اور ہر شخص اس طوفان کی رو میں بہنا سعادت اور کار خیر سمجھتا ہے۔ امیر و غریب، جاہل و عالم، مزدور و کسان، طلباء استاد، عورت، مرد، بچے اور بوڑھے سب اس مرض میں مبتلا دکھائی پڑتے ہیں بنگالی حریص بھی ہوتے ہیں اور حاسد بھی۔ بزدل بھی ہوتا ہے اور ناکارہ بھی۔ تنگ نظری ورثہ میں ملی ہے۔ انہیں اپنی غلطیوں اور خامیوں کا احساس اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک تباہ کن نتائج نکھر کر نظروں کے سامنے عملاً نہ آ جائیں۔ اسی طرح جس طرح ہندوؤں میں خدا کا تصور اس وقت تک نہیں آتا جب تک سامنے بت رکھ کر عبادت نہ کریں۔ ہر تحریک طوفان کی مانند چلائے جاتے ہیں۔ اس طوفان کو اٹھانے کے سلسلے میں آہستہ آہستہ تیاریاں کی جاتی ہیں۔ راہیں نکالی اور استوار کی جاتی ہیں چاہے اُس میں صورت حال کے تحت جتنی بھی مدت لگے اسی مدت میں آپ لاکھ سمجھائیں وہ سننے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔ سنی ان سنی کرتے

جائیں گے۔ زیادہ کوشش سمجھانے کی گئی تو آپ کو اپنا دشمن متصور کریں گے ہر کس وناکس اس تحریک میں کسی نہ کسی شرکت کو دانشمندی اور کار خیر تصور کرے گا۔ احساس کمتری ایسا کہ کسی سے منہ بھر کر بات نہ کریں گے

ایک تحریک کی ابتداء کرتے ہیں اور تکمیل کے فوراً بعد جب تباہ کن نتائج سامنے آجاتے ہیں تب آنکھیں کھلتی ہیں پھر دوسری تحریک کی ابتداء کی جاتی ہے، اس تحریک کو آہستہ آہستہ طوفان کی شکل دی جاتی ہے۔ تحریک اچھے مقصد کے لئے ہوتی اور برے مقصد کے حصول کے لئے۔ بس چین نہیں قرار نہیں، مدوجزر جاری رہتا ہے حالت یہ ہوتی ہے کہ تین دنوں کے فاقوں کے بعد چند پیسے ہاتھ میں آجائیں تو کھانا کھانے کی بعد میں سوچے، پیٹ کی آگ بجھانے کی بعد میں فکر کرے گا۔ نفس وجذبات کی آگ بجھانے کی پہلے سوچے گا۔ چنانچہ اس پیسے کا یا تو کوئی جھنڈا بنالے گا یا کسی افسر چیف منسٹر یا صدر و گورنر کو تار دینا زیادہ مناسب سمجھے گا۔ حد سے بڑی ہوئی احساس جمہوریت کہیئے یا حد سے گذری عقل اور دانشمندی۔ بھرکیف ہر کام انجام تباہی و بربادی کا پہلو ہی لئے ہوتا ہے۔ بعض لوگ حد سے بڑھی ہوئی عقل کو احمق پنے سے تصور کرسکتے ہیں۔ ان کا یہ خیال غلط نہیں کہا جاسکتا۔ پھوڑے کو زخم بنانا اور رائی کو پہاڑ بنانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

بنگالی مسلم کے ذہنوں پر تسلط وہاں کے موسمیات کے اتار چڑھاؤ کو کافی دخل ہے۔ وہاں کی فضا، آب وہوا، مدوجزر، آندھی وطوفان، سیلاب وطغیانیوں پر نظر ڈالیں اور پھر وہاں کے عوام کے ذہنوں کا جائزہ لیں تو یہ باتیں سمجھنے میں زیادہ دقت پیش نہیں آئے گی۔ ندیوں کی تیزی، خوفناکی، نرمی اور اتار چڑھاؤ۔ ندیوں کی تباہ کاریاں اور ان کی فیاضیاں، فیاضیوں کی مدت کم ہوتی ہے۔ ظلم واستبداد تباہی وبربادی اور تباہ کاریوں کی مدت سال میں تقریباً آٹھ، دس ماہ رہتی ہے وہاں کے دلوں میں بھی رحم ہوتا ہے۔ تھوڑی اور صرف تھوڑی مدت کے لئے فیاضی بھی قدرے دیکھی جاتی ہے مگر اس کی پشت پر برآری مقصد مقصود ہوتی ہے چنانچہ

قیام پاکستان پہ ابتداء میں بہاریوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ ظاہری سلوک کم از کم عوام کا اچھا رہا۔ اس کی بھی وجہ تھی اور وہ یہ کہ مسلم انڈیا نے مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کو ہندوؤں کے مسلسل ظلم و ستم، لوٹ و کھسوٹ اور جبر و تشدد سے نجات دلوائی تھی اور ہندوؤں کے خلاف عام طور پہ جذبات بھڑکے ہوئے تھے۔ مگر یہ صورت حال انتہائی قلیل عرصہ رہی اس لئے پھر ہندوؤں کی غلامی سے نجات اور قیام پاکستان کی رحمت زیادہ عزیز نہیں رہی بلکہ سیاست، شور و شر فطرت میں رچی بسی تھی اور مزاج میں قرار کا فقدان۔ علیحدگی کی تحریک کی ابتداء کر دی۔ کسی نے اس تحریک علیحدگی کے روح رواں بن کر اور کسی دوسرے پلیٹ فارم سے مگر اسی علیحدگی کی تحریک کو زور پہنچاتے رہے۔ تحریک علیحدگی کو تقویت پہنچاتے رہے۔ اس ڈرامے میں بہتوں نے چاہے وہ کس پارٹی سے تعلق رکھتا ہو اور کوئی بھی لیڈر ہو دانستہ یا نادانستہ تحریک علیحدگی کے ہاتھ کو مضبوط کر کے رہا ہے۔

جہاں تک بہاریوں (غیر بنگالیوں) کا تعلق ہے ہر بنگالی زعماء دشمنی پہ کمر بستہ قبر کھودنے، قلع قمع کرنے کو فرض اولین تصور کرتا رہا۔ اس میں ہر پارٹی کے افراد نے حتی المقدور حصہ لیا اور ہر شخص نے اپنا کردار ادا کیا۔ ان کی آپس میں پارٹیوں کی رسہ کشی رہتی کہ گدی پر براجمان، قبضہ و تسلط کس کا رہے۔ لیکن بہاریوں کے معاملہ میں سبھی ایک دل اور ایک زبان تھے اسی طرح جس طرح ہندوستان میں جملہ سیاسی پارٹیاں اپنے اپنے مقاصد کی خاطر برسرپیکار رہتی تھیں اور ہیں لیکن جملہ پارٹیاں مسلمان دشمنی پر یکساں متفق رہا کرتی تھیں۔ بعینہ یہی کیفیت بنگالیوں نے بہاریوں کی بنا رکھی تھی، بہاریوں کو اظہار خیال، بولنا، چلنا پھرنا مشکل کر دیا تھا۔ ادھر مغربی پاکستان کے زیادہ تر زعماء بنگالیوں کو بانس پہ چڑھاتے، ان کی پاکستان دوستی اور اسلام دوستی کی بے موقع، بے محل تعریفیں کرنا اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔ مقصود یہ تھا کہ بنگالیوں کی تعریفیں نہ کیں تو اکثریت ان کی ہے۔ ووٹ نہ مل سکیں گے۔ اس طرح سب نے حق بولنے اور بہاریوں کا ڈٹ کر

مقابلہ کرنے سے گریز کرتے رہے ۔ حق کا گلا گھونٹنا ۔ مصلحت بینی کو اپنا فریضہ بن گیا ۔ چنانچہ بہاریوں کے مسائل کے بارے میں لب کشائی گناہ عظیم تصور کر لیا گیا ۔ چنانچہ تمام پارٹیوں ، مسلم لیگ ، نظام اسلام ، جماعت اسلامی و دیگر پاکستان و اسلام دوست پارٹیوں کے زعمائے اکثریت ، بنگالیوں کی دیرینہ خواہش اور رجحان ابھرتے دیکھ کر مصلحت کو روا رکھتے ہوئے بہاریوں کے مسائل کا تذکرہ بھی ایک عظیم جرم سمجھتے رہے ۔

میدان سیاست کے نئے سورما اصغر خان صاحب اس سلسلہ میں آگے گئے ملٹری الیکشن کے دوران ڈھاکہ گئے تو مجیب الرحمن کے بوڑھے باپ ، اور ماں جو گور میں پیر لٹکائے بیٹھے تھے کی ہسپتال جاکر عیادت ضروری خیال کیا لیکن میمن سنگھ کے لٹے پٹے ، مرے پچھے ، تباہ حال بیواؤں ، یتیموں کو محمد پور کیمپ جاکر دیکھنے کے لئے فرصت نہیں ملی ۔ بات کیا تھی وہی بنگالیوں کو ناخوش کر کے اپنے سیاسی مستقبل کو خطرہ میں ڈالنے کا خطرہ مول لینا پسند نہ تھا ۔

مولانا عبدالرحیم صاحب نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان میرپور کے جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ مہاجروں (بہاریوں) کے مسائل کیا ہیں مجھے تو معلوم ہی نہیں اپنے ایک جماعت اسلامی کے کارکن کو مخاطب کر کے کہنے لگے ۔ لکھ لیجئے گا کہ بہاریوں کے مشرقی پاکستان میں مسائل کیا ہیں ۔ ۲۵ سال قیام پاکستان کے بعد بھی ان کو یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ بہاریوں کے مسائل کیا ہیں ۔ جب کہ وہ خود ذمہ دار عہدوں پر فائز رہے اور فائز ہیں ۔

یہ ۱۹۶۹ء کے اس وقت جب ووٹروں کی فہرست مرتب ہو رہی تھی اور یحییٰ خان کی جانب سے یہ حکم تھا کہ مشرقی پاکستان میں فارم پر ووٹروں کے دستخط صرف بنگلہ زبان میں ہو سکتے ہیں ۔ اردو میں دستخط کی اجازت نہیں بہاری اس کے خلاف آواز بلند کر رہے تھے حالانکہ اردو بھی مرکزی زبان تھی ۔ ذرا خیال کریں اسلام دوست اور ملک دوست جماعت کے رہنماؤں کی بہاریوں کے مسائل سے کیا

دلچسپی رہی ہوگی۔

مغربی پاکستان کے تجار، کارخانہ دار اور سرمایہ داروں نے دل کھول کر ہمیشہ مجیب اور عوامی لیگ کی بھرپور امداد کرتے رہے۔ بہت سے زعما مجیب سے تعلقات بڑھانے اور دوستی کو باعث فخر سمجھتے رہے۔ اور ان میں کوئی بھی مجیب پر اثر انداز نہ ہوسکا وہ سبھوں کو بیوقوف بناتا رہا۔ اس میں قیوم خاں صاحب کی ذات ایسی تھی جنہوں نے مجیب کی شکل بھی دیکھنا پسند نہ کی۔ گفتگو کرنا تو درکنار اور ہمیشہ مضبوط مرکز کے حامی رہے۔

گذشتہ الیکشن کی بات ہے کہ عوامی لیگ کی مخالف جماعتوں میں عام جلسہ کرنے کی پہل جماعت اسلامی نے کی چنانچہ ۱۸ جنوری ۱۹۷۰ء کو پلٹن میدان میں جماعت اسلامی کی جانب سے جلسہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ منعقد کیا گیا۔ مولانا مودودی صاحب اس جلسہ سے خطاب کرنے والے تھے۔

عوامی لیگ نے بھی جلسہ کو درہم برہم کرنے کی پوری تیاری کر رکھی تھی چنانچہ مولانا مودودی صاحب کے پلٹن میدان میں تشریف لانے سے پہلے ہی بڑے پیمانے پر گڑبڑ عوامی لیگیوں نے کی۔ سینکڑوں آدمی زخمی ہوئے۔ کچھ مرے اور اغوا بھی ہوئے۔ جلسہ نہ ہوسکا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ مودودی صاحب اس وقت تک ڈھاکہ نہ چھوڑتے جب تک پلٹن میدان میں کوئی دوسرا کامیاب جلسہ نہ کر لیتے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔

مولانا صاحب محب وطن پاکستانیوں اور اسلام دوستوں کو یاس و نا امیدی کے پُرخطر دھارے پر چھوڑ کر پلٹن میدان مجیب کے حوالے کر کے لاہور واپس پہنچ گئے۔ ان کا یہ اقدام انتہائی خطرناک اور تباہ کن ثابت ہوا۔ کسی پارٹی کے رہنما کو یہ طرز عمل مناسب تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ویسے بھی معلوم ہے کہ سیاست میں آخری فیصلہ ہمیشہ میدان کارزار ہی میں ہوتا ہے، میدان چھوڑ دینا مسئلہ کا حل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد فضل القادر چوہدری نے پلٹن میدان میں جون

توں ایک جلسہ منعقد کر سکے۔ لیکن باتوں کی پچ ثابت ہوئی۔ فضل القادر چوہدری زندگی بھر مسلم لیگی رہے اور در پردہ ہر طرح عوامی لیگ کی مدد جس میں مالی مدد بھی شامل تھی کرتے رہے۔

بہر کیف اسلام دوست اور محب وطن پارٹیوں کی ساکھ ختم ہو گئی ویسے بھی ۱۹۷۰ء کے الیکشن کے موقع پر اسلام پسندوں اور ملک دوستوں پر مبنی ان جماعتوں کا وطیرہ آپس میں دست گریبان رہنا اور جنگ و جدل ہی رہا۔ آخری وقت تک انتشار ہی انتشار رہا۔ کنونیشن مسلم لیگ چونکہ جماعت اسلامی کے عتاب میں تھی اس لئے اس کو اسلام پسندوں کے اتحاد میں شریک نہیں کیا گیا۔ غلام اعظم صاحب امیر جماعت اسلامی اور شفیق الاسلام (چچا بھتیجہ) اس اتحاد کے روح رواں بنے رہے۔ غیر بنگالیوں کو اس اتحاد کے قریب آنے نہیں دیا گیا مشورہ تک نہیں کیا گیا۔ جب کہ عوامی لیگ کے زیادہ سرگرم کارکن ہندو ہی رہے وہی جماعت اسلامی کے سربراہ کو اپنے لئے پورے مشرقی پاکستان میں کہیں اپنے لئے محفوظ جگہ نہیں ملی۔ اس حلقہ انتخاب کو اپنے لئے منتخب کیا جہاں محمد پور اور میرپور تھا۔ میں نے مختلف ذرائع سے کوشش کی کہ غلام اعظم اس حلقہ سے کھڑے نہ ہوں ہم لوگوں کو بعد میں بڑی قیمت چکانی پڑے گی لیکن میری ایک نہ سنی گئی۔ میں نے فضل الحق کی بیٹی رئیس بیگم کا نام پیش کیا تھا۔ لیکن بھلا کب سنی جاتی۔ اس لئے کہ جماعت کا ہر فیصلہ حرف آخر ہوتا ہے

چنانچہ اس الیکشن کے اثرات دور رس ہوئے اور پورے صوبہ کے غیر بنگالیوں کو خمیازہ بھگتنا پڑا۔ پیدا شدہ صورت حال کے پیش نظر بھی چونکہ عوامی لیگ کی مخالفت کرنی تھی۔ مجھے بھی پوری تندہی کے ساتھ جماعت کا ساتھ دینا پڑا۔ یہ بھی غیر بنگالیوں کے خلاف چچا بھتیجہ نے ایک سازش کے تحت کیا۔ وہی غلام اعظم ۱۹۷۱ء کے ۲۳ مارچ میں پاکستان کا جھنڈا سوائے میرپور اور کنٹونمنٹ کے نظر نہ آتا تھا۔ میرپور تشریف لائے اور لوگوں سے کہنے لگے آپ لوگ سب

عوامی لیگ کا جھنڈا لہرائیں۔ کیا ہو گا دو اسلامی ریاستیں وجود میں آ جائیں گی اس پر میرپور کے لوگ برہم ہو گئے وہ چلتے ہوئے کہتے گئے ورنہ گلی گلی کوچوں کوچوں جنگیں ہوں گی۔ خون کی ندیاں بہے گی۔ ان کا منشا کچھ ہی کیوں نہ ہو نیت کا پتہ تو چل ہی گیا تھا۔

جماعت اپنی طاقت کا غلط اندازہ کئے بیٹھی تھی۔ الیکشن کے موقع پر بھرپور ناتجربہ کاری کا مظاہرہ کیا گیا۔ اور دوسری پارٹیوں کے بھی آڑے آئی۔ جہاں تک غیر بنگالیوں کا تعلق ہے وہ تو سیاسی اور سماجی اچھوت سمجھ لیا گیا تھا۔ عوامی لیگ کا تو کہنا ہی نہیں۔ اسلام دوست اور ملک دوست پارٹیوں کا رویہ بھی سخت معاندانہ رہا۔ اردو اور اردو بولنے والوں سے باتیں کرنی بھی اپنی حیثیت اور مقبولیت کھو دینے مترادف تصور کرتے تھے اس لئے ملنے جلنے سے احتراز اور پرہیز کیا جاتا دوسرے جائز طور پر یہ طبقہ تو اپنا ہے ہی یہ جائے گا کہاں۔

ادھر بہاریوں کے سیاسی طور پر ابھرنے کی امید نہیں۔ اس لئے کہ زمین ہر طرف سے تنگ کی جا رہی تھی۔ عرصہ حیات تنگ تھا جینے کی جتن کرنی تھی۔ ہمیں کمزور دشمن کی تلاش تھی۔ لازمی طور پر پچیس سال کے الیکشن سے لے کر آخری الیکشن تک یہ شکل رہی کہ عوامی لیگ (کھلے دشمن) کی مخالفت اور ان کی مخالف جماعت کی ہمنوائی چاہے شودر ہی کی حیثیت سے کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس آخری الیکشن میں میرا مسئلہ نمائندہ کی حیثیت سے کھڑے ہونے سے حل نہیں ہو سکتا اور ہو بھی جاتا تو اسمبلی کے اندر ہی ملا بر دیا جاتا۔

اس لئے بہتر شکل ایسے لوگوں کو منتخب کرانے میں تھی جن کے ذریعہ کم از کم جان بخشی ہو سکے اور ہندوؤں کے ووٹوں کی جو عوامی لیگ کی تحویل میں تھے اس کمی کو غیر بنگالیوں کے ووٹوں سے پورا کیا جا سکے۔ لیکن صورت بالکل ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ ساری بنگالی قوم نے عوامی لیگ کی حمایت کی۔ حکومت پاکستان بھی لیگل فریم آڈر کے قطع نظر عوامی لیگ کو کامیاب کرانا چاہتی تھی۔ غیر بنگالی

کی کمی ہی تو پوری کر سکتے تھے ۔ صورت حال اور سارے بنگالی ذہن کو کس طرح تبدیل کر سکتے تھے ۔ میں نے اس صورت حال کے پیش نظر جماعت فرنٹ بنائی اور اس پارٹی کے سربراہ کی حیثیت سے اس پلیٹ فارم سے عوامی لیگ کی بھرپور مخالفت اور اسلام دوست ، ملک دوستوں کی مدد کی ۔ مگر حالات قابو سے باہر ہو چکے تھے بنگالیوں نے عوامی لیگ کے چھ نکات ، جو دراصل علیحدگی کی اسکیم تھی حق میں رائے دے چکی تھی ۔

ساری دعائیں اور دوائیاں بیکار ثابت ہو چکی تھیں ادھر عوامی لیگ کے مخالف کیمپ میں آخری دم تک انتشار ہی انتشار رہا ۔ اس طرح بنگالیوں نے پاکستان سے کٹ کر علیحدہ رہنے کی ٹھانی ہندوؤں کی غلامی کو قبول کرنے کے حق میں رائے دی ۔ اب جب ابدی مفلوک الحالی اور ابدی بھارت کی غلامی دیکھ کر عوام کی قدرے آنکھیں کھلی ہیں مگر یہاں تو

بھارت کی غلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے بھارت سے نہیں ہے

بنگالیوں کو آزادی میں مزہ نہیں ملتا ۔ آزادی کی نعمت کو بے دردی سے ٹھکرا دیا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

ابن غلام ، ابن غلام ، ابن غلام
"حریت اندیشہ اُو را حرام" (اقبالؒ)

یہ نورالامین صاحب ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بڑے پاکستان اور اسلام دوست ہیں جن کے بارے میں ایک بار "زندگی" نے لکھ مارا کہ ان کی ذات اسی طرح مقدس ہے جس طرح پاکستان کا جھنڈا ، کسی کو بانس پر چڑھانے کی بھی حد ہوتی ہے ۔ میں یہ پڑھ کر حیرت زدہ رہ گیا ۔ پرچہ الگ رکھ دیا اور دل میں کہا بس

نا عاقبت اندیشوں کی کمی نہیں

پاکستان کا خدا حافظ

یہ وہی نور الامین صاحب ہیں جنہوں نے "مسلم لیگ" جس نے معجزہ کے طور پر قائد اعظمؒ کی قیادت میں صرف سات سال کی مدت پاکستان بنایا۔ اس مسلم لیگ کو اپنی کارگذاریوں سے تباہ کیا۔ اپنی چیف منسٹری کے دوران ایک بھی ضمنی انتخاب نہیں کرایا۔ خود بھی بُری طرح ناکام ہو گئے اور مسلم لیگ کو بھی شکست دلوائی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مسلم لیگ کا نام و نشان مشرقی پاکستان سے مٹ چکا ہے۔

اپنی صدارت میں (مسلم لیگ پارلیمنٹری پارٹی) سے بنگلہ زبان کو ملک کی ایک زبان اختیار کرنے کے حق میں قرارداد پاس کرائی۔ یہ مسلم لیگ جو قائد اعظمؒ کی امانت ہے اور قائد اعظم رح کے حکم و تمنا اور خواہشوں کی اس طرح دھجیاں بکھیری جنہوں نے خطرہ بھانپ کر ابتداء میں ڈھاکہ بیماری کی حالت میں جا کر جلسہ عام میں ارشاد فرمایا تھا کہ

ملک کی زبان اُردو اور صرف اردو ہو گی۔

ادھر خواجہ ناظم الدین صاحب تھے دونوں کی ملی بھگت تھی تسلیم کر لیا گیا لیاقت علی کے زمانہ میں کسی طرح یہ ہمت نہ ہو سکی تھی۔ خواجہ صاحب اردو کے حق میں ڈھاکہ میں جا کر جو کچھ فرمایا تھا۔

وہ تو ایک ڈرامہ کی شکل میں تھا اور اس طرح اس مسئلہ کو زندہ کیا گیا اور زندگی عطا کی گئی تھی تا کہ طے شدہ مسئلہ جب تک نزاعی مسئلہ کی شکل میں ابھر کر سامنے نہ آئے آخر بنگالی زبان کی وکالت کس طرح کی جا سکے گی۔ اسی طرح نور الامین صاحب وہ ہیں ۱۹۵۰ء کے کلکتہ اور دیگر بنگال کے قریبی علاقوں سے فساد سے متاثر ہو کر آئے ہوئے۔ ان لٹے پٹے لوگوں کو بسانے سے انکار کیا اور حکم دیا کہ یہ لوگ واپس جائیں۔ ہو چیخ و پکار کے بعد کچھ جھونپڑے بنا دیئے گئے۔

سقوط ڈھاکہ سے قبل جب اسلام آباد نور الامین صاحب تشریف لائے جب ڈھاکہ جانا نصیب نہ ہو سکا۔ تو انجمن ترقی اردو والوں نے انہیں

مہمان خصوصی کی حیثیت سے مدعو کیا اور وہاں تقریر میں بنگلہ زبان کی ترجمانی شروع کردی کہنے لگے مغربی پاکستان میں بنگالی زبان کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے اسے اپنانے سے گریز کیا جا رہا ہے۔ یہی نورالامین صاحب کے سامنے ڈھاکہ میں اردو کوئی بول نہیں سکتا تھا۔

انہوں نے کبھی یہ بھی نہیں فرمایا کہ

اردو والو کہ اردو بولنے کے جرم میں ظلم نہ کرو۔

بہرکیف میں نے ایک احتجاجی خط سید عبداللہ صاحب مدظلہ کو لکھا کہ کیا اب انجمن اردو ترقی کے پلیٹ فارم سے بھی بنگلہ زبان ہی کے فروغ کا کام ہوگا۔ انہوں نے تفصیلی جواب دے کر مجھے مطمئن کیا۔ کیا کیا لکھوں اور کس کس کے بارے میں لکھوں، اردو کی مخالفت، مہاجروں پر ظلم و زیادتی۔ نظریہ پاکستان کی نفی کرتی ہے۔ دوش بدوش دونوں چلے یہ ممکن نہیں۔

ابتدائی غلطی تو لیاقت مرحوم ہی کی تھی کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی انہوں نے قوم کو نعروں کے زور پر جگانے اور صرف نعروں کے زور پر زندہ رکھنے کی سعی کرتے رہے۔ نظریہ پاکستان پر گامزن کرانے اور اپنانے سے احتراز اور گریز کو راہ دیتے رہے قوم کے پرخلوص جذبہ اتحاد ملی اور اسپرٹ اسلامی سے کام کیا لینے، کچل کر رکھ دیا قوم کو ملک کی ترقی اور نظریہ پاکستان پر عمل ہونے کے لئے تیار کرتے۔ قوم کو کم از کم اٹھارہ گھنٹہ کام کرنے کی ترغیب دیتے تاکہ ملک کی بے سروسامانی دور ہو سکے تاکہ ہندوستان کی استقامت کا مقابلہ کیا جا سکتا۔ دستور کے نفاذ سے کتراتے رہے۔ اسلامی نظام لانا ہوگا جو مزاج سے مناسبت نہیں رکھتا تھا یہ کہنا غلط ہوگا کہ ان کو وقت نہ مل سکا۔

بھٹو صاحب نے قیام پاکستان کے بعد ملک کے سیاہ ترین دور میں پرآشوب دور اور پرخطر دور میں قوم و ملک کو دستور دے سکتے ہیں کیا وہ یہی کام نہیں کر سکتے تھے۔ جب کہ پوری قوم ایک دل اور ایک زبان ان کے ساتھ تھی۔ دستور

سے ملک کے بہت سارے مسائل حل ہو جاتے ۔ زبان کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا اس
کے برخلاف انہوں نے وزیر اعظم ہونے کے علاوہ مسلم لیگ کی صدارت بھی اپنے
ہاتھ میں لے لی۔ مسلم لیگ کو عوام سے جدا کر دیا۔

قیام پاکستان کے ہر کارکن اور سبھوں کو الگ تھلگ کر کے رکھ دیا۔ کوٹہ سسٹم
کی لعنت بھی مسلط کر دی۔ ایوب خان صاحب کو ملک کے کمانڈر کی حیثیت سے
غلط طریقہ پر ٹھونپ دیا۔ جنہوں نے غلام محمد صاحب اور اسکندر مرزا صاحب سے
مل مل کر سازشیں کرتے رہے ۔ اور بعد میں نتیجہ سے قوم کو نمٹنا پڑا۔ بنگالیوں کو اجاڑ
یہ سب کچھ کرنے میں نیت کچھ ہی کیوں نہ رہی ہو۔ نگاہیں دور رس نہیں تھیں۔ مستقبل
پر نظر نہیں تھی ۔

ایک قائد اعظم مرحوم کی ذات پاک تھی کہ انگریزوں کے تسلط سے آزاد کرایا۔
تدبر و صلاحیت کا یہ عالم تھا کہ ہندو کانگریس کی ایک نہ چلنے دی۔ ہندوؤں کی دولت
انہیں خرید نہ سکی۔ ہندوؤں کی دی ہوئی لالچ کو حقارت سے ٹھکراتے رہے کانگریس
کے مدبرین، سیاسی اعتبار سے بلند اور علمی صلاحیت سے بھرپور زعماء قائد اعظم پر
اثر انداز نہ ہو سکے۔ ہندوؤں کی دولت اور تمام ہندو اخبارات قائد اعظم کی عظمت کی لو
میں پگھل کر رہ گئے۔ گاندھی جی کا مکر و فریب ان کے سامنے بے اثر رہی۔ یہ ناخدائے ملت
اسلامیہ تمام تر پر خطر راستوں کو طے کراتا، ساحل سے ہمکنار کرنے والا کیسا اصول کا پکا
صلاحیت سے بھرپور اور قوت اسلامی سے بہرہ ور نکلا۔ قوم کی مکمل تائید اس کا
اثاثہ بنی۔

ساری قوم کو سمیٹ کر چلا اور منزل مقصود پر پہنچا کر چل بسا۔ ودیعت کردہ
کام پورا کر گیا۔

قوم اور ان کے رہنماؤں کا کام تھا کہ ان کے چھوڑے ہوئے کام، ان کے
ارادوں کو پروان چڑھاتے۔

لیکن کیا ہوا؟

آج ہم میں اقبالؒ بھی نہیں رہے جن کی مشعل راہ کے سہارے قوم نے راستہ پایا تھا، روشنی پائی تھی، ہدایت پائی اور اپنی بگڑی بنائی تھی۔ اے اللہ اب ہم میں کوئی قائد اعظمؒ بھیج، کوئی اقبالؒ دے۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ جب تک اقبالؒ کی تعلیمات باقی ہے قوم مر نہیں سکے گی۔

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مرد راہ داں کے لئے
(اقبالؒ)

شہید سہروردی صاحب پاکستان کافی تاخیر سے آئے اس کی کچھ وجوہات ہیں ان کا مکمل ارادہ ہندوستان ہی میں رہنے کا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد فرقہ وارانہ فساد پھوٹ پڑا۔ گاندھی جب کلکتہ میں بنطاہر فرقہ وارانہ فساد کی آگ کو بجھانے آئے سہروردی صاحب مسلمانوں کی بقا کی خاطر گاندھی کے پیچھے رہے۔ زیادہ تر مقصد مسلمانوں کی محافظت کی تھی۔ بعد میں ان کی خواہش ہوئی کہ عام مسلمانوں کو کانگریس پارٹی سے ہمکنار کر دیا جائے۔ اس غرض کے پیش نظر انہوں نے یوپی مسلم لیگ کے سربراہ جناب ظہر الحسن صاحب اور جعفر امام صاحب سربراہ مسلم لیگ بہار سے باتیں کیں اور زور دیا کہ عام مسلمانوں کو کانگریس جوائن کروا دیا جائے اسی میں مسلمانوں کی خیر ہے اور اسی میں بہتری۔

جعفر امام صاحب اور لاری صاحب کو اس میں تامل ہوا۔ جعفر صاحب نے سہروردی کو جواب دیا۔ جیسا کہ

جعفر صاحب نے پٹنہ میں مجھ سے فرمایا کہ
میں نے سہروردی صاحب سے عرض کیا کہ
مجھے کوئی عذر نہیں۔

لیکن کچھ شرائط ہیں اس لئے کہ ہم لوگ آج تک کانگریس سے برسر پیکار رہے اور مسلم عوام کو کانگریس کے خلاف برسرپیکار رکھا۔ اس لئے پہلے تو جیسا کہ گاندھی جی

نے فرمایا ہے۔

اور مسلمانوں کو ہدایت کی ہے کہ مسلمان اجتماعی طور پر اس وقت کانگریس جوائن نہیں کرنا چاہیئے جب تک کانگریس بحیثیت پارٹی کے عام مسلمانوں کو مدعو نہ کرے اس لئے پنڈت نہرو سے مل کر یہ کام کرادیں۔ بعدۂ کچھ مطالبات ہوں گے۔

سہروردی صاحب نے فرمایا کہ

پنڈت نہرو سے مل کر یہ کام چٹکیوں پہ کرادوں گا۔

لیکن جب پنڈت نہرو سے سہروردی صاحب نے یہ عرض داشت پیش کی تو انھوں نے روکھا سوکھا جواب دے دیا۔

یہ بات سہروردی صاحب نے جعفر صاحب سے فرمائی کہ

بھئی پنڈت نے اس طرح جواب دے دیا ہے اب میں آپ کو کچھ نہیں کہوں گا۔

سہروردی صاحب کی اسکیم جوں کی توں رہ گئی۔ یاس و ناامیدی کے پیش نظر لامحالہ پاکستان کا رخ کیا، یہاں بجائے تعمیر کے تخریب میں لگ گئے۔ تمام ایسے لوگوں کو اپنے گرد کیا جن کا سیاسی و مذہبی شعور پختہ نہیں تھا۔ مجیب و تاج الدین ایسے لوگ شاگرد رشید بنے۔

اس مجیب نے جنہوں نے کلکتہ کے ایک گمنام ہوٹل میں پاکستان کے خلاف تحریک شروع کرنے اور جاری رکھنے کی پلاننگ بنائی تھی جس کا کھل کر اقرار مجیب نے قیام بنگلہ دیش کے بعد ایک عام جلسہ میں کیا۔

ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ

قیام پاکستان کے دن سے میرے بنگالیوں کی غلامی کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ اس تحریک کے پیش نظر اس نے بنگلہ زبان کا شوشہ نکالا جس کا کھل اقرار بھی اس نے قیام بنگلہ دیش کے بعد ایک جلسہ عام میں کیا۔ اس بنگلہ زبان کے شوشہ کو لے کر مجیب و تاج الدین وغیرہ قائد اعظم کا استقبال ڈھاکہ میں سیاہ جھنڈیوں

سے کرنے والا تھا کہ گرفتار کر لیا۔

آپ لوگوں کو اچھی طرح یاد ہوگا کہ یہی بنگالی قیام پاکستان سے قبل مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اسکولوں و کالجوں میں شعبہ اردو کے قائم کرنے کی قرار دادیں پاس کیا کرتے تھے۔ آخر کیا بات ہوئی کہ فوراً قیام پاکستان کے بعد اردو کی مخالفت جو نظریہ پاکستان کی ایک شق تھی۔

اس وقت بہاریوں نے کیا کیا تھا۔ اس کے علاوہ سہروردی صاحب نے اسلامی دستور تو در کنار لفظ اسلامک پر خفگی کا اظہار کرتے رہے اور شد و مد کے ساتھ مخالفت کی۔ جداگانہ انتخاب کی جگہ مخلوط انتخاب کو رائج کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ چنانچہ اپنی پارٹی عوامی لیگ میں ہندوؤں کے داخلہ کی ہمت افزائی کرتے رہے۔

یہ جداگانہ انتخاب، دو قومی نظریہ کی اساس بنی قیام پاکستان کے بعد اسی کو ختم کرنے کے درپے ہوئے۔

اب کوئی بتائے کہ بنگلہ زبان کی ترویج، اردو کی مخالفت، اسلامی دستور کی مخالفت، جداگانہ انتخاب کی مخالفت، پاکستان کو ختم کرنے اکھڑے کرانے کے مترادف نہیں تھا۔ بنگلہ دیش، ہندوؤں کی غلامی۔ ہندوستان سے ملنا نہیں تو اور کیا۔ جس کے لیے اتنی پیش بندی کی گئی۔ ادھر یحییٰ خان صاحب نے مخلوط انتخاب کو تسلیم کر کے مشرقی پاکستان کو الگ کرنے کا بندوبست کر دیا۔ اس مخلوط انتخاب کے خلاف کسی بنگالی زعماء نے موثر قدم نہیں اٹھایا۔

بہر کیف جس زمانہ میں ہندوستان میں سہروردی صاحب کانگریس سے پینگ بڑھا رہے تھے اسی زمانہ میں علی گڑھ میں بیٹھ کر آل انڈیا مسلم کونشن کی تیاری میں لگا ہوا تھا۔

آزادی کے بعد پورے ہندوستان میں خاص طور پر شمالی ہند میں جا بجا فسادات ہو رہے تھے۔ مسلمان ڈرے سہمے تھے ٹرینوں سے مسلمانوں کو باہر پھینک دینے

کے واقعات عام تھے۔ مسلمان ریلوے اسٹیشنوں اور بس کے اڈوں وغیرہ پر مسلمان اپنا نام بتانے سے ڈرتے تھے۔ عام مسلمان ایک طرف ہندوؤں کی وحشت و درندگی اور دوسری جانب یاس و ناامیدی کی فضا سے دوچار تھے۔ جناب ایم ایم بشیر صاحب جو کہ سٹی مسلم لیگ کے صدر بھی جان و مال سے شب و روز کنونشن کی تیاری میں لگے تھے مجھ سے معاونت طلب کی میں نے افادیت کے پیش نظر بھرپور ساتھ دیا۔ اُدھر سارے ہندو کانگریس معہ اپنے کرائے کے کانگریسی مولویوں کے اس کنونشن کو ناکامیاب کرنے کے درپے پڑے تھے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب بھی اپنی روایتی مخالفت کے ساتھ سارے ہندوستان بھر میں اس کنونشن کے انعقاد کے خلاف تقریریں کر رہے تھے۔

مجھے لامحالہ رفیع احمد قدوائی صاحب مرحوم کے پاس جانا پڑا اور انہیں تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا اور معاونت بھی چاہی۔

چنانچہ انہوں نے ہمت افزائی فرمائی اور
فرمایا۔ جاؤ کنونشن کرو جب تک میں ہوں تم لوگوں پر آنچ نہیں آسکتی۔
اس کے باوجود حکومت نے میرے پیچھے دو ملازم لگا دیئے۔
قدوائی صاحب نے اس زمانہ میں ڈیرہ ڈون میں پریس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ
مسلمان ملک کی بڑی اقلیت ہے۔ انہیں پورا حق پہنچا ہے کہ کنونشن کریں اور جس طرح چاہیں منظم کریں۔ کچھ تاریکی کے بادل چھٹے۔
چار دنوں کے سیشن ہوئے۔ مسلمانوں کا یہ سب سے پہلا اور بڑا اجتماع تھا۔ جناب سید بدرالدجی صاحب سابق میور کلکتہ سے استدعا کی گئی۔ انہوں نے صدارت کریں۔ ایک پارٹی وجود میں آئی جس کا نام مسلم جماعت پڑا۔ کنونشن کے فوراً بعد حکومت نے اس جماعت کا قلع قمع کر کے رکھ دیا۔ طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے۔ مگر دیا جل چکا تھا اب گل ہونے والا نہ تھا۔ مسلمان جاگ

اور اس کے بعد جاگتے ہی گئے۔ میرے خلاف تیج، بھارت، پرتاپ، نیشنل ہیرالڈ
پوائنیر، امرتسر بازار، پتریکا اور ہندوستان اسٹینڈرڈ نے اداریے لکھے اور حکومت
کو مشورے دیئے کہ اس پاکستانی بدمعاش کو علی گڑھ سے نکالو۔ میرے کمرے کی
بار بار تلاشی لی گئی۔

اسی وقت ذاکر حسین صاحب علی گڑھ کو رام کرنے میں لگے ہوئے تھے۔
تمام مسلم لیگی استادوں اور طلباء کو نکالنے کے درپے تھے۔ اسلامی قدروں اور
یونیورسٹی کی اسلامی روایتوں کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ کمیونسٹوں کو بھر رہے تھے
مجھ سے کہنے لگے مسلم لیگیوں کا یہ گڑھ رہا ہے میں اسے ختم کر کے رہوں گا۔
میں نے عرض کیا۔

ڈاکٹر صاحب۔ گڑھ ختم کریں لیکن جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہ بھی نہ ہونے دوں گا۔
جم کر جنگ رہی اس بار بھی رفیع احمد قدوائی صاحب کی معاونت کے ساتھ۔
پارلیمنٹ میں لڑنے کے لئے مسٹر اشوک مہتا اور دیگر حزب اختلاف کی معاونت
لینی پڑی۔

ڈاکٹر صاحب کی جتنی غلط کاریاں تھیں میں نے اخبار میں شائع کرا دیں
مولانا ابوالکلام صاحب نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری اجمل صاحب کو دلی میں
میرے ایک دوست کے پاس بھیجا کہ کون لوگ ہیں بھیجی ہیں ان سے ملنا چاہتا ہوں
مولانا نے فرمایا کہ

میں نے ذاکر کو بنانے کے لئے علی گڑھ بھیجا تھا کچھ بگاڑنے کے لئے نہیں
بھیجا تھا۔

میں بہر حال ملا نہیں۔
میں نے کہا کہ ملنے کی کیا ضرورت ہے الزامات کی تحقیقات مولانا کرالیں
کچھ ہی عرصہ بعد مولانا نے ڈاکٹر صاحب سے استعفا طلب کر لیا۔
اس عرصہ میں میرے والدین کا انتقال ہو گیا۔ ہر چہار جانب سے مصیبتوں

میں گھر گیا۔ پاکستان آنے کی سوچی تو پاسپورٹ روک لیا گیا لیکن شکر اللہ کا کہ پھر اجازت آنے کی مل گئی۔

نواب اسمٰعیل خان صاحب سے میں مسلمانوں اور علی گڑھ کے بارے میں مشورے برابر کرتا رہتا تھا۔ میری رائے تھی کہ ہندوستان میں سبھی پارٹیاں مسلمانوں کی مخالفت پر کمربستہ ہیں اس لئے حکومت میں جو پارٹی بھی ہو چاہے کانگریسی ہی کیوں نہ ہو، کمزور رہو، اگر زور کانگریس ہی کچھ کرے گی۔ اس لئے کانگریس کی اس حد تک مخالفت ضروری ہے جہاں کانگریس پہنچ کر مسلمانوں کی معاونت کی ضرورت محسوس کرے اور ہم لوگ جینے کی حق کے لائق کم از کم باتیں منوا سکیں۔ چنانچہ برابر کانگریس کی مخالفت کرتا رہا۔

۱۹۵۶ء کے دسمبر میں میں کراچی آگیا۔ عبدالرب نشتر صاحب سے ملاقات کی وہ اپنے روایتی خلوص و محبت کے ساتھ سوا گھنٹہ باتیں کرتے رہے۔ پاکستان کے نشیب و فراز کے بارے میں مجھے بتاتے رہے اور انتہائی تاسف آمیز لہجہ میں برابر اور شخصیتوں کے علاوہ خواجہ ناظم الدین صاحب کے بارے میں برابر کہتے رہے اس شخص نے بنیادی طور پر برباد کیا ہے۔ پھر مجھ سے کہنے لگے تم واپس ہندوستان نہ جاؤ تمہیں واپس جانے نہیں دوں گا۔ یہیں رہو مل جل کر مسلم لیگ میں کام کریں چنانچہ مجھے پاکستان میں مستقل طور پر رہنا پڑا۔
شہریت دلانے میں انھوں نے بھی مدد فرمائی۔

خواجہ صاحب سے ملا انتہائی خوش اخلاقی سے ملے۔ دیر تک باتیں کیں اس وقت نہ تو وہ گورنر جنرل تھے اور نہ وزیر اعظم۔

پارٹیوں اور تنظیموں کا جہاں تک معاملہ ہے وہ مرکزی یا مشرقی پاکستان کی صوبائی پارٹیاں اور تنظیمیں مغربی پاکستان اور مغربی پاکستانیوں کے خرچ پر چلتی رہیں اور عہدے مساوی لیتے رہے۔ مشرقی پاکستان کی صوبائی پارٹیوں اور تنظیموں تک کے اخراجات مغربی پاکستان سے پورے ہوتے رہے حتیٰ کہ عوامی لیگ بھی مغربی پاکستانیوں کے

پیسہ پر چلتی اور پھولتی رہی۔

عوامی لیگ کے بارے میں کھلی باتیں تھیں کہ یہ بنگالی زبان، بنگلہ قومیت اور علیحدگی اس کی بنیادی اساس۔ مغربی پاکستان دشمنی اور غیر بنگالی کش پالیسی ہو لائحہ عمل ہے پھر بھی مغربی پاکستان کے سرمایہ دار اور خالی الذہن زعماء عوامی لیگ کو سرمایہ مہیا کرتے رہے اور ہمت افزائیاں کرتے رہے، واہ واہ کرتے رہے کچھ مسخرے تو ایسے بھی تھے جو مغربی پاکستان میں بھی عوامی لیگ قائم کئے ہوئے تھے

نظام اسلام پارٹی کے اخراجات جناب چوہدری محمد علی پورے کرتے رہے جماعت اسلامی کو بنگالی چندہ تو درکنار عید الفطر کے فطرے اور عید الضحیٰ میں قربانی کی کھالیں بھی غیر بنگالی مہیا کرتے رہے اور سارے روپے بنگالیوں کی امداد پر خرچ ہوتے رہے۔

کسی طوفان یا ارضی و سماوی آفات جو وہاں کی عام بات ہے اس موقعہ پر غیر بنگالی تجار سے روپیہ وصول کر کے بنگالیوں کو دیا جاتا رہا۔ بہاریوں پر جب بھی مصیبتیں پڑتیں۔ چاہے فساد کے موقعہ پر یا ہندوستان سے آنے پر بسنے بسانے پر کوئی شخص ہمدردی میں ایک لفظ بھی نہیں بول سکتا تھا۔ اس لئے کہ بنگالی عوام کا ذہن برہم ہوتا تھا۔

ملک کے ہر شعبہ حیات میں بنگالی قومیت ایک لعنت بن کر سامنے آتی رہی اس لئے بھی کہ بہائم بشکل انسان لوگوں کی ملک میں اکثریت تھی۔ مسلم لیگ کے اخراجات مرکزی تو مرکزی مشرقی پاکستان کی مسلم لیگ بھی پاکستان یا وہاں کے بہاریوں کے چندے اور عطیات پر چلتی رہی۔ لیکن مرکز میں تو یہ بنگالی لڑ لڑ کر مساوی عہدے لیتے رہے۔ صوبہ میں کسی بہاری کو تنظیم کے معاملہ میں چوں بولنے کی اجازت نہ تھی۔ بس چندہ برداری کی حد تک۔ کونیشن مسلم لیگ کی باتیں بتاتا ہوں کہ چوہدری خلیق الزمان کو بحیثیت چیف آرگنائزر کچھ کونسلر مرکزی کونسل میں نامزد کرنے کا حق تھا۔ چوہدری صاحب نے جمال میاں فرنگی محل کو مرکزی کونسل مسلم لیگ

میں اختیار خصوصی کے تحت نامزد کر دیا۔ اس پر ڈھاکہ کی کونشن مسلم لیگ میں
طوفان آگیا۔ صوبائی مسلم لیگ کی میٹنگ طلب کی گئی اور اتفاق رائے سے یہ پاس
کیا گیا کہ یہ بنگالی نہیں ہیں ہم لوگ قبول نہیں کرتے چوہدری صاحب نام واپس
لیں۔ شمس الہدیٰ سیکرٹری مسلم لیگ مشرقی پاکستان نے چوہدری صاحب کو اس
خواہش کے اظہار کے ساتھ خط لکھا اور ساتھ ساتھ وارننگ بھی دی۔

چوہدری صاحب نے نام واپس لے لیا۔

چوہدری صاحب سے میں نے احتجاجاً عرض کیا کہ
آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

کہنے لگے ہدیٰ کیا تمہارا ارادہ بنگالیوں سے مار کھلوانا تھا۔

یہ بنگالی مجھے بچنے نہ دیتے آفت برپا کر دیتے۔

میں نے صبر و ضبط سے کام لیا اور سوچا کہ تنظیم میں بے لطفی پیدا نہ ہو میں
خاموش ہو گیا۔

یہ جمال میاں فرنگی محلی مسلم لیگ کے صف اول کے رہنماؤں میں رہے۔ قیام
پاکستان کی جنگ میں پیش پیش رہے اور اپنا سب کچھ تج کر رہے۔ ان کی قربانیاں
تو ذرہ خیال کیجیے۔

قیام پاکستان کے بعد ڈھاکہ آکر بود و باش اختیار کی۔ مکان بنوائے، تجارت
شروع کی۔ ان بنگالیوں کو کسی کا احترام بھی پیش نظر نہیں ہوا چوہدری خلیق الزمان
صاحب بذات خود ایک تاریخ بن کر رہ گئے تھے۔ انہوں نے تاریخ بنائی
ہندوستان کے چوٹی کے راہنماؤں میں رہے۔

ہندوستان میں ان کے زمانے میں کوئی تحریک مسلمانوں کی تحریک ایسی نہ رہی ہو
جس میں رہ کر انہوں نے کارہائے نمایاں انجام نہ دیئے ہوں۔ ان کے طریقہ کار سے
کچھ لوگوں کو شکایتیں رہی ہوں۔ لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ
اسلام اور مسلمانوں کے لئے برابر کچھ کرتے رہے، لڑتے رہے اور اذیتوں، پریشانیوں

اور مشکلات سے دو چار ہے۔

میری آخری ملاقات ان سے ۱۹۷۱ء میں ہوئی جب میں ڈھاکہ سے کراچی آیا اور مولانا محمد ظفر احمد انصاری صاحب کے گھر قیام کیا۔ انصاری صاحب کی قدر میں کرتا رہا ہوں اور کرتا ہوں۔ ان جیسے بزرگوں کی سرپرستی قوم و ملک کے لئے باعث صد آفرین ہے۔

انہوں نے زندگی بھر جو قیام پاکستان، اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لئے سرانجام دیں وہ تاریخ میں سنہرے باب کا اضافہ بنے گی۔

بہرکیف میں نے انصاری صاحب کے گھر سے چوہدری صاحب کو فون کیا کہ چند روز ہوئے ہیں ڈھاکہ سے آیا ہوا ہوں۔

کہنے لگے چند دن ہو گئے اور آج فون کر رہے ہو۔ کل ناشتہ میرے ساتھ کرو۔

میں نے عرض کیا۔

ناشتہ واشتہ کیا کچھ اچھی چیز کھلائیں تو ناشتہ پہ آؤں بھی۔

کہنے لگے کیا کھاؤ گے۔

میں نے برجستہ عرض کیا۔

"مچھلی کے کباب"

چوہدری صاحب نے فرمایا۔

بس آجاؤ تیار رہے گا۔

میں نے اس لئے بھی کہا کہ چوہدری صاحب کو مچھلی کا کباب بہت مرغوب تھا۔

بہرکیف میں نے عرض کیا۔

میرے ساتھ ایک صاحب اور ہوں گے ان کا نام سید مجتبیٰ صاحب ایڈوکیٹ ہے بہار کے کہنہ مشق پرانے سیاست داں۔ بے پناہ صلاحیتوں کے مالک اور بہت سی خوبیوں سے بہرہ ور ہیں آپ بھی غالباً ان سے واقف ہوں گے۔

کہنے لگے ہاں ہاں ان کو بھی ساتھ لیتے آنا۔ کچھ باتیں ہوں گی۔

چوہدری صاحب بے تکلفانہ انداز میں مگر احساس برتری کے ساتھ گفتگو کرتے تھے۔ مخلصانہ انداز میں باتیں کرتے تھے اور ہر لمحہ مسلمانوں اور پاکستان کے مستقبل پر روشنی ڈالتے جاتے۔

انہوں نے انتہائی باوقار طور پر زندگی گذاری کسی سے ملنا ہوتا تو چائے پر مدعو کر لیتے۔ وہ ان لوگوں میں نہ تھے کہ بڑھاپے میں بھی جوتیاں سارے شہر میں چٹخارتے پھریں۔ بہر حال اللہ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے میری ان سے آخری ملاقات رہی۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد معجزہ کے طور پر بچ کر جب ڈھاکہ سے کراچی سے آیا تو بھائی منظر عالم صاحب اور چوہدری صاحب کو نہ پاکر، بڑا دلی صدمہ ہوا۔ میرے مخلصین اور ہمدردوں میں تھے۔

اور یہی لوگ تھے کہ جنہوں نے ۱۹۶۳ء میں ڈھاکہ جانے پر مجبور کیا۔ بھائی ابوالہاشم صاحب کا خط پر خط کہ ڈھاکہ آؤ اور میری مدد کرو تم پر میرا مکمل اعتماد ہے ڈھاکہ میں کوئی ایسا نہیں ملتا جس پر اعتماد کروں یا مشورہ کروں۔

میں نے ہاشم صاحب سے کہا کہ

اگر مجھے ڈھاکہ میں دیکھنا چاہتے ہیں تو بھائی منظر عالم صاحب اور چوہدری صاحب سے کہیئے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ

ہم لوگ ایک بار راولپنڈی فلیشمین ہوٹل میں مقیم تھے۔

بھائی ہاشم صاحب، نے چوہدری صاحب و منظر عالم صاحب کو مجبور کیا اور انہوں نے مجھے مجبور کر کے ڈھاکہ جانے پر رضامند کر لیا۔

اور وہاں رہ کر جو ذاتی تجربات ہوئے اس کی روشنی میں اپنے تاثرات قلم بند کرنے بیٹھ گیا۔

اس طرح ایک دلچسپ واقعہ اور عرض کر دوں۔

مسلم لیگ کے دستور کے مطابق کسی شہر یا جگہ جس کی آبادی ایک لاکھ ہو جائے تو اسے سٹی (ضلع مسلم لیگ کے برابر) مسلم لیگ کا درجہ دیا جائے گا۔ سیدپور میں غیر بنگالی اکثریت میں تھے اُسے سٹی کا درجہ دینا چاہیئے تھا لیکن وہی بنگالیوں کا جذبہ اکراہ انہوں نے سیدپور کو سٹی کا درجہ دینے سے احتراز کیا۔

میں نے یہ صورت حال دیکھ کر سیدپور والوں کے مسلسل تقاضوں اور مطالبوں کے پیش نظر ابوالہاشم سے باتیں کیں انہوں نے میری رائے سے اتفاق کیا اور کہنے لگے کہ

عنقریب صوبائی آرگنائزنگ کمیٹی کی میٹنگ ہو رہی ہے اس سے بذریعہ قرارداد منظور کر لیا جائے گا۔ چنانچہ جب میٹنگ ہوئی تو سیدپور کو سٹی مسلم لیگ کا درجہ دینے کے سلسلہ میں بذریعہ قرارداد منظور کر لیا گیا۔ لیکن یہ سب کچھ دباؤ میں ہوا پاس تو ہو گیا لیکن عام مسلم لیگیوں نے اُسے تسلیم نہیں کیا۔ چنانچہ معاملہ کھٹائی میں سیکرٹری نے ڈال دیا۔

سٹی مسلم لیگ کا درجہ دینے میں اس قدر تعمل کیوں تھا اس لئے کہ غیر بنگالیوں کا خطہ تھا۔ تنظیم میں ضلع کے لحاظ سے نمائندگی ملتی، یہ گوارا نہیں تھا۔ چنانچہ سیکرٹری شمش الھدیٰ تھے۔

میں نے بار بار یاد دہانی کرائی۔ زور دے کر کہتا رہا لیکن ایک نہ سنی گئی۔ ابوالہاشم سے کہتا رہا وہ اپنی بے بسی اور مجبوریوں کا گلہ کرتے رہے۔

بعد میں الیکشن ہو گئے۔ ابوالہاشم صاحب ہٹ گئے۔ جسٹس جبار صاحب صوبائی مسلم لیگ کے صدر منتخب ہو گئے اور ہاشم الدین سیکرٹری صوبائی مسلم لیگ مقرر کئے گئے

میں نے ہاشم الدین صاحب سے سیدپور کو سٹی کا درجہ دینے کا مطالبہ کیا وہ مان گئے۔

لیکن کہنے لگے میں کر تو دوں گا لیکن مخالفت بہت ہے میرے کر دینے کے

کے بعد بھی سٹی کا درجہ برقرار نہ رہ سکے گا۔ چنانچہ وہی ہوا ہاشم الدین صاحب نے ازروئے منظور شدہ قرارداد تسلیم کر لیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد ہی سٹی کا درجہ دیا ہوا واپس لے لیا گیا۔

یہ منعم صاحب نے کہ دیا اور کہا کہ ایک کمیٹی مقرر کی جائے وہ دیکھے گی کہ سٹی مسلم لیگ کا درجہ دینا درست ہے کہ نہیں یہ باتیں۔ سب بنانے کی باتیں تھیں۔

کچھ عرصہ بعد ایوب خان مشرقی پاکستان آئے تو ان سے شکایت کی گئی۔ انھوں نے منعم خاں سے کہا۔

کیوں منعم تمہیں بہاریوں سے اس قدر بیر کیوں ہے سید پور کو سٹی مسلم لیگ کا درجہ دو۔ پھر درجہ دیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد پھر ختم کر دیا گیا۔ کب تک انسان پیچھا کرے کوشش ترک کر دی گئی۔ جہاں دلوں میں کچھ بھی وسعت نہ ہو تو پھر سب ہی عبث بن کر رہ جاتا ہے۔

اسی طرح ڈھاکہ شہر کے مسلم لیگ کی تنظیم کا مسئلہ درپیش تھا۔ میرپور ٹاؤن شپ (سٹالائٹ ٹاؤن) میں بھی غیر بنگالیوں کی اچھی خاصی اکثریت تھی۔ بنگالی جو اس خطہ میں تھے بھی تو زیادہ تر عوامی لیگ سے منسلک تھے۔ وہی سٹی مسلم لیگ کے درجہ دینے کی بات چلائی گئی۔ اصولی اور مسلم لیگ کے دستور کے مطابق سٹی کا درجہ میرپور کو ملنا چاہیے۔

اس علاقہ کے مسلم لیگیوں کا مطالبہ درست اور آئینی تھا۔ آبادی ایک لاکھ سے زیادہ تک پہنچ چکی تھی لیکن ہٹ دھرمی اور تعصب کا یہ عالم کہ اسے درجہ دینے کی بجائے۔ سیکریٹری صوبائی مسلم لیگ عبدالمنان صاحب کے سپرد کیا گیا کہ وہ تحقیق کر کے فیصلہ کریں۔ سیکریٹری مسلم لیگ پر ہر چہار جانب سے دباؤ کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ منان صاحب نے آبادی کا اندازہ متفرق طریقوں سے کیا جس سے انہیں پتہ چلا کہ آبادی ایک لاکھ سے کہیں زیادہ ہے۔ عبدالمنان صاحب سیکریٹری

مسلم لیگ کو مجبوراً یہ مطالبہ تسلیم کرنا پڑا۔ یہ دیکھ کر منعم خان صاحب نے وضع کردہ تنظیمی نقشہ جو تیار کیا گیا تھا اسے تبدیل کر دیا گیا اور پورے شہر ڈھاکہ کو تنظیمی اعتبار سے تین حصوں میں منقسم کر دیا گیا۔ جو انتہائی غیر مناسب تھا۔ یہ سب سب کچھ بہاریوں کو کسی طرح تنظیم میں کلیدی پوسٹ نہ مل سکے۔ اس کے پیش نظر کیا گیا۔ یہ بھی قابل شکر بات ہے کہ میرپور اس وقت اندرون ڈھاکہ میونسپلٹی نہیں تھا۔ اس لئے بھی میرپور کو پورے ڈھاکہ سے منسلک اور تنظیمی لحاظ سے شہر کی مسلم لیگ میں مدغم اور ضم کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

بنگالی زبان اور بنگالی قومیت

بنگالی زبان کے چاہنے والے کئی نظریہ کے حامل تھے ایک تو وہ تھے جو زبان کی ترقی چاہتے تھے لیکن پاکستان سے علیحدگی نہیں۔ ایک وہ تھے جو اس کو علیحدگی کے راستہ کو ہموار کرنے کے لئے اس کو بطور آلہ استعمال کرتے تھے اور ایک وہ تھے جو مغربی پاکستان سے ناجائز مطالبات برابر تسلیم کرنے کے لئے بطور پروپیگنڈہ کے لئے زندہ رکھنا چاہتے تھے۔

وہ جو علیحدگی کے راستہ کو ہموار کرنے کے لئے اس کو ذریعہ و آلہ بنانا چاہتے تھے۔ اس میں مجیب الرحمٰن، تاج الدین، قمرالزمان اور نذر السلام وغیرہ تھے چنانچہ بقول مجیب الرحمٰن نے بنگلہ دیش کے قیام کے بعد فرمایا کہ

جس دن قیام پاکستان وجود میں آیا اُسی دن سے بنگالیوں کے غلامی کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ بقول مجیب الرحمٰن کے قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی کلکتہ کے ایک ہوٹل میں علیحدگی کی تحریک شروع کرنے کی ابتداء کی۔

قائد اعظم مرحوم کو کسی طرح اس طوفان و تحریک کی بھنک مل گئی۔

میں قبل ازیں عرض کر چکا ہوں کہ

بنگلہ دیش آندھی، طوفان، بارش اور طغیانیوں کا ملک ہے۔ وہاں کے عوام ذہنوں اور دلوں میں اسی طرح آندھی چلانے، طوفان اٹھانے، طغیانیوں کو پروان چڑھانے کے عادی ہوتے ہیں اور تھوڑے عرصہ کے لئے بارش بھی ہو جاتی ہے۔ بارش کبھی جم کر نہیں ہوتی، تقریباً سال بھر ہوتی ہے لیکن کم وقفہ کے بعد ایک طوفان کے بعد دوسرا طوفان اور ایک آندھی کے بعد دوسری آندھی۔ لوگوں کے

مزاج میں بھی یہی طلاطم ہوتا ہے۔ مگر ان طوفانوں، آندھیوں اور طغیانیوں کے رخ کا پتہ نہیں چلتا ہاں اس کا مقصد تباہی وبربادی، توڑ وپھوڑ اور تخریب کاری ہوتی ہے۔ تعمیر کا عنصر نہیں ہوتا۔ انجام سے بے خبر ہوتا ہے گھر کو پھونکنے میں لذت ملتی ہے

اس خطرہ کو قائداعظم بھانپ گئے بیماری کی حالت میں ڈھاکہ گئے کہ کہیں بنگالیوں نے کسی بڑے فتنہ کی داغ وبیل نہ ڈالیں ایسی حالت میں بنگالی مسلمان تباہ ہو جائے گا، کہیں یہ بنگالی مسلمان جس درخت کے تنے پر بیٹھے ہیں اس کو کاٹ نہ دیں۔ چنانچہ یہ سمجھ کر اس بنگالی زبان کی تحریک۔ کی تہ میں ایک عظیم فتنہ پوشیدہ ہے۔ ڈھاکہ پہنچے تو وہاں یہ خبر لگی کہ قائداعظم کا استقبال سیاہ جھنڈیوں سے کیا جائے گا چنانچہ اس میں پیش پیش یہ مجیب الرحمٰن اور تاج الدین وغیرہ تھے بہر حال یہ لوگ گرفتار کر لئے گئے۔

جلسہ ہوا اور قائداعظم رح نے اعلان کر دیا کہ

"اردو اور صرف اردو مرکز کی زبان ہوگی اگر کسی کو عذر ہو تو ہاتھ اٹھائے کسی نے ہاتھ نہیں اٹھایا۔"

انہوں نے یہ بھی فرما دیا کہ

اگر مغربی پاکستان سے علیحدگی کا خیال ہے تو وہ کھودی کر دیا جائے۔ مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو تسلیم کرے گا اور ایک مسلم ملک ہونے کی حیثیت سے مدد بھی کرتا رہے گا۔

عوام نے بلند آواز سے کہا کہ علیحدہ نہیں ہوں گے۔ اردو زبان کی حیثیت سے ملک کی زبان تسلیم کی گئی تھی ایک تو غیر منقسم ہندوستان میں اردو اور ہندی کا مستقل جھگڑا رہا۔

چنانچہ یہ طے شدہ امر تھا کہ قیام پاکستان کے بعد پاکستان کی زبان اردو ہوگی اور ہندو ہندی زبان کو تھوپنا چاہتے تھے۔ اس لئے مسلمانوں کی غیرت، قومی وقار، خودداری اور اصول کا تقاضا تھا کہ جس زبان پر جنگیں رہیں۔ تحریک پاکستان

کی زبان رہی۔ اس کو اپنایا جائے۔ دوسرے ملک کے ہر گوشہ میں اردو بخوبی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ تیسرے مسلم بنگالیوں کو ہندو بنگالیوں سے نجات دلانے کے لئے ضروری تھا۔ بنگالی اردو زبان سے ہمکنار ہو۔

شکل صاف تھی اردو کو اپنا کر سارے ملک سے یک جہتی و ملاپ کا ساتھ دیں اسلام سے قربت حاصل کریں یا بنگالی زبان کو اپنا کر ملک سے علیحدگی کی راہ ہموار کریں اور ہندو بنگالی یا ہندوستان کی غلامی پر رضا مند ہو جائیں۔ ہندوستان میں حالانکہ کسی صوبہ کی حتمی طور پہ ہندی زبان نہیں ہے۔ مغربی بنگال میں بنگالی یا اردو، آسام میں آسامی زبان، اڑیسہ میں اڑیہ، صوبہ بہار، یو پی سی پی میں اردو کو فوقیت حاصل ہے۔ دہلی میں اردو، مشرقی پنجاب میں گھریلو زبان (گورمکھی) پنجابی لیکن کتابی زبان اردو، جنوبی ہند میں تامل، تلگو، کناڑی ملاٹم وغیرہ زبانیں ہیں یا اردو۔

چنانچہ بھارتی حکومت کا رام راجیہ کے قیام کا تخیل تھا اس لئے باوجود تمامتر مخالفت کے ہندی زبان کو مرکزی زبان کی حیثیت سے تھوپ دی۔ ان کی قومی غیرت مندی کا تقاضا یہی تھا۔ یہاں چونکہ قومی غیرت کا سوال نہیں اس لئے اردو کی مخالفت بنگالیوں نے کی اور اکثریت میں ہونے کے زعم میں مطالبہ بنگالی کو مرکزی زبان نہیں بلکہ صرف بنگالی کو مرکزی زبان تسلیم کرانے کا خواب پورا کرنے کے درپے ہو چکے تھے۔

ادھر بنگالی زبان کی تحریک ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ چلتی رہی نوبت بایں رسید کہ جب خواجہ ناظم الدین صاحب مرکز میں (لیاقت علی مرحوم کے بعد) میں طاقت میں آئے اور آتے ہی تمام جمہوری قدروں اور روایتوں کو روندنے کی جانب لگ گئے ہوس جاہ و حشمت اور پھر مشیر خواجہ شہاب الدین اور فضل الرحمٰن جیسے بیدار مغز کے مشورے۔

بہر کیف ادھر خواجہ صاحب اور ادھر نور الامین صاحب کی ملی بھگت نے

سوئے ہوئے فتنہ کو زور و شور سے جگایا، ڈرامہ کیا اور بنگالی کو مرکز کی ایک زبان کی حیثیت سے سفارش صوبائی حکومت کی جانب سے کی گئی اور مرکز نے قبول کر لیا۔ بنگالی زبان کی تحریک نے زور پکڑ لی ۱۹۵۴ء میں مسلم لیگ کو شکست فاش ہوئی، نورالامین صاحب کو ایک طالب علم نے ہرا دیا۔ میدان بالکل صاف ہو گیا۔

شہید سہروردی صاحب مرحوم نے پاکستان میں تہیہ کر لیا کہ جس طرح بھی ہو سطح پر آنا ہے، حکومت کی کمان ہاتھ میں لینی ہے اور حکمران بننا ہے۔ جس وقت سہروردی صاحب کلکتہ سے آئے تو اس وقت حکومت کا رویہ بھی مناسب نہیں رہا۔

لیاقت علی مرحوم نے انتہائی ثقیل الفاظ ان کے خلاف استعمال کئے اور سلوک بھی انتہائی ناروا رہا۔ لیکن اس کے باوجود وہ کچھ کر نا نہیں چاہیئے تھا جو کیا۔ مجیب اور ان کے گروہ کو اپنے ساتھ لیا۔ اسلامی دستور تو در کنار لفظ اسلام کی مخالفت کی اردو زبان کے خلاف بنگالی زبان کی سرپرستی کی، دو قومی نظریہ کی بیخ کنی کی۔

ایک صوبہ کو دوسرے صوبہ سے لڑنے پر اکسایا۔ نفرت و اکراہ کی ہر بیج پر تنسیقیں ہوائیں چلائیں۔ جداگانہ انتخاب کی جگہ مخلوط انتخاب کی وکالت کی۔ ہندوؤں کو اکسایا اور سہارا دیا۔ ان کے لئے اپنی پارٹی میں ممبری کی اجازت دے دی۔ تخریب کاری ہی تخریب کاری رہی، ہم نہ پاکستان، "ہم نہیں تو پاکستان نہیں" کے اصول کو اپنایا گیا۔ ہندوؤں کی ہر طرح سے ہمت افزائی کی گئی اور بہت حد تک کھلی سازش میں لگ گئے۔

مطالبہ در مطالبات، مطالبات کی فہرستیں شائع ہونے لگی وہ دن بھی آئے کہ سہروردی وزیر اعظم ہو گئے۔

اسلام، اردو اور جداگانہ انتخاب کی مخالفت تو جاری رہی لیکن جہاں

تک مطالبات کا تعلق تھا ہے سہروردی صاحب نے ڈھاکہ جاکر اعلان کیا کہ نوّے فی صد مطالبات مشرقی پاکستان کے تسلیم کر لئے گئے اس لئے کہ تمہارا وزیر اعظم ہو گیا ۔ دس فی صد مطالبات رہ گئے ہیں اس کے حصول کے لئے جنگ جاری رہے گی ۔

اس طرح نظریاتی طور پر پاکستان کو مفلوج کرنے کے لئے وار پر وار کئے اور تہس نہس کر کے رکھ دیا ۔ ان کے بعد ان کے حواری ان کے بتائے ہوئے راستہ پہ گامزن رہے ۔

چنانچہ سہروردی صاحب مرحوم کے شاگرد رشید ، مجیب الرحمٰن ۔ سہروردی صاحب کی عظمت کو مدنظر رکھتے ہوئے ریس کورس کا نام سہروردی اددھان رکھا ۔ دس جنوری ۱۹۷۲ء کو جب مغربی پاکستان سے ڈھاکہ پہنچا تو سب سے پہلے اپنے استاد سہروردی صاحب کی قبر پہ گیا ، فاتحہ پڑھی ، الحاج فضل الحق صاحب کی قبر پر فاتحہ پڑھی ۔

خواجہ ناظم الدین صاحب کی قبر وہیں پر ہے نہیں گیا ۔ اس بنگلہ دیش میں قائد اعظم رح و علامہ اقبال رح کے ناموں سے جتنی یادگاریں تھیں ۔ ختم کر دی گئیں مثلاً " قائد اعظم کالج کا نام تبدیل کر کے تیتو میر اور جناح ایونیو کا نام تبدیل کر کے بنگابندھو اونیو رکھ دیا گیا ۔

اقبال ہال کا نام تبدیل کر کے سرجنٹ ظہور الحق ہال رکھا گیا ۔ قائد اعظم رح (محسن قوم) کی تصویریں ہر ہر جگہ سے ہٹا دی گئیں یہ سب مجیب کے حکم سے عمل میں آیا ۔

تنگ نظری ، تعصب ، نفرت و اکراہ کے جذبہ سے بہرا پر بنگالی نے یہ وطیرہ بنا لیا کہ جب کبھی اقبال رح کا نام آیا نذر الاسلام کو پیش کرتے رہے ۔ عجیب ستم ظریفی رہی ، کہاں اقبال اور کہاں نذر الاسلام ، وہ پاگل ہندو کلچر کا دلدادہ ، چندن ٹیکہ لگائے بیٹھا رہتا تھا ۔ ایک ہندو عورت کو پاس رکھے تھا ۔ اس سے کئی بچے وہ سب

ہندو ۔ قیام برابر اس کا کلکتہ میں تھا۔ پاکستان حکومت سے بنگالیوں نے اس کو برابر وظیفے دلوائے اور پاکستانی حکومت کو یہ ستم سہنے پڑے۔ اقبال رح کی عظمت کو ہمیشہ گھٹانے کی کوشش بنگالی کرتے رہے۔ حالانکہ

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

عصبیت کی بھی کوئی حد ہونی چاہیئے تھی۔

اقبال اکیڈیمی کی بنیاد رکھی تو فوراً نذر الاسلام اکیڈیمی کا قیام ضروری تصور کر لیا گیا۔

اقبال اکیڈیمی کا قیام اگر عمل میں لایا گیا تو اس کے پیچھے ایک جذبہ تھا اور وہ جذبہ اسلامی کارفرما تھا۔ اقبال نے سارے مسلمانوں کو پیغام حیات عطا کیا وہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کے لئے رحمت نہیں تھے۔ بلکہ ساری دنیائے اسلام اور دنیائے انسانیت کو اسلام کا پیغام اچھوتے انداز میں دیتے رہے۔ دنیائے اسلام و دنیائے انسانیت ان کی پرکشش تعلیمات اسلامی اور افکار اسلامی سے سبق آموزی کا کام لے رہی ہے اور لیتی رہے گی۔ وہ زندگی بھر مسلمانوں کی مردہ جاں میں زندگی بخشنے کا کام کرتے رہے۔ والہانہ انداز کے اشعار قوم کے لئے بیداری کا موجب بنے۔

تحریک پاکستان کو فروغ بخشنے اور قیام پاکستان کے حصول میں ان کی شاعری نے نمایاں کردار ادا کیا۔ قوم کے ذہن سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ مسلم سیاست سے انتہائی قربت رہی۔ شب و روز برصغیر کی مسلم سیاست کو اپنے افکار اسلامی سے بہرہ ور کرتے رہے۔ ان کی وابستگی ہندوستان میں مسلم سیاست سے مسلسل اور براہ راست ہی ہر مسلم تحریک سے اور مسلم لیگ کے تو عہدہ دار بھی رہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ علامہ اقبال رح نے ہی قائد اعظم رح کو مجبور کیا کہ اس زمانہ ابتلا میں مسلمانوں کی راہنمائی قبول کریں۔

ان سے یہ مطالبہ علامہ اقبال رح کا ٹالے نہ ٹل سکا۔

مجبوراً انہیں ہندوستان کی مسلم سیاست میں اگر دو بارہ حصہ لے کر کامیاب سیاست کرنی پڑی۔ قائد اعظم رح کی وکالت اور علامہ اقبال رح کے فکر نے قیام پاکستان کو ممکن اور حقیقت بنا کر دنیا کے نقشہ پر نمودار کر دیا

علامہ اقبال رح کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ

"پیغمبری کرد، پیغمبر نتواں گفت" کہنا کچھ غلط نہ ہوگا

علامہ اقبال رح نے ۱۹۳۰ء میں الہ آباد کے سالانہ جلسہ میں مسلم لیگ کی صدارت کرتے ہوئے حتمی طور پر مسلم انڈیا کی نجات کی راہ صرف اس کے کچھ نہیں کہ مسلم اکثریت کے علاقہ اور ہندو اکثریت کے علاقہ پر مشتمل حکومتیں قائم کی جائیں اس طرح دو ریاستیں عمل میں آجائیں گی۔

یہ دونوں مملکتوں میں اکثریت اپنی مرضی سے جیسی حکومت چاہیں بنائیں۔ ہندو انڈیا اور مسلم انڈیا۔ بس ایک رہنما اور دوسرے رہنما و مفکر۔

ادھر نذر الاسلام کے بارے میں کہا یہ جاتا ہے کہ انہوں نے بنگال کے مسلمانوں کو جگانے کا کام کیا۔ اپنے بنگالی اشعار میں غیر بنگالی الفاظ کو کافی جگہ دی۔ یہ سب ٹھیک ہے لیکن یہ سر پہ بٹھانے کا نذر الاسلام کو قیام پاکستان کے بعد خیال کیوں ہوا۔ اگر ہوا بھی تو صوبائی حکومت انکے نام کو اجاگر اور زندہ رکھنے کے لئے کرتی انہیں ساری مسلم قوم پاکستان پر مسلط کیوں کر دیا گیا۔ ان کی ذات تو صرف بنگالی زبان اور بنگالیوں کی حد تک رہی۔

علامہ اقبال رح کی ذات مفکر اسلام، بین الصوبائی اور بین الاقوامی تھی۔ انہوں نے مسلمانان ہند کو فکر بخشا تھا۔

"قیام پاکستان کے لئے اجتہاد کیا تھا"

اب کہا یہ جائے گا کہ اکثریت کا ہیرو تھا۔ اس کا بہت آسان جواب یہ کہ ملک کسی خطہ کی جاگیر نہیں۔ یہ نظریاتی ملک ہے۔ برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں کا ملک ہے۔

ہندو پاک کے مسلمانوں نے قرآن و سنت کی حکمرانی کے لئے بنایا تھا یہاں اکثریت و اقلیت کا سوال نہیں۔

علامہ اقبال کی عظمت کو چار چاند لگانے کی کوشش ہے تو ان کے سنہرے کارناموں کی بنا پر، ان کی قربانیوں، فکر اسلامی اور تصور اسلامی برادری کے پیش نظر۔ ان کی تعلیمات سے دنیائے اسلام اور دنیائے انسانیت استفادہ حاصل کر رہی ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ پنجاب کے بسنے والوں میں تھے۔

آج علامہ اقبال کے فدائی اور ماننے والے غیر پنجاب کے لوگ زیادہ ہیں یہ بھی عظمت کی جانب نشان دہی کرتی ہے۔ نذرل بابو سے کون سی دنیائے اسلام اور دنیائے انسانیت کو روشنی مل رہی تھی۔ جسے خود روشنی نہ ملی ہو وہ روشنی کیا دے گا۔

اسلامی تعلیم کی مخالفت کی گئی کہ اسلامیات اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی نہیں جائے گی۔ تحریک اس کے خلاف چلائی گئی اور حکومت کو اسلامی تعلیم دلوانے کی اسکیم واپس لینی پڑی۔ ہر بنگالی ذہن چاہے وہ کس طبقہ اور کسی خیال سے تعلق رکھتا۔ جس پارٹی سے منسلک ہو بنگلہ زبان کا بھوت سوار تھا ادھر ہندو پر وہ سے ڈوری کھینچتا رہتا تھا۔ کلکتہ سازش کا ہیڈ کوارٹر، ہر بنگالی زعماء اچھی طرح واقف تھا۔

یہ بھی سبھی جانتے تھے کہ یہ فتنہ ایک نہ ایک دن رنگ لائے گا۔ بجائے اس فتنہ کا ڈٹ کر مقابلہ کیا کرتے کہ آگ میں تیل چھڑکتے رہے۔ آخر میں اس شعلہ نے دہکتی آگ کی شکل اختیار کر لی اور سب کچھ جل کر خاکستر ہو گیا۔

ہر بنگالی کا خاصہ بن گیا تھا کہ جب کسی غیر بنگالی کو دیکھتے پہلی بات یہ کہتا تھا کہ آپ اتنے دنوں سے بنگال میں ہیں بنگلہ نہیں جانتے

ویسے یہ عرض کر دوں کہ

بنگلہ زبان پڑھنے والے غیر بنگالی طلباء اور لوگوں کو بھی اسی طرح ذبح کیا

گیا جس طرح بنگالی نہ جاننے والوں کو۔

ایک دن کا واقعہ عرض کردوں کہ

میں نے ایک میرپور میں کوٹھی بنوائی تھی۔ جب پایہ تکمیل کے قریب پہنچ گئی بجلی کا کام باقی تھا۔ میں نے حسب قاعدہ محکمہ متعلقہ میں پیسے جمع کروا دیئے۔ ایک ہفتہ گذر گیا جب کہ پیسے جمع کرانے کے اڑتالیس گھنٹہ کے اندر کنکیشن مل جانا چاہیئے تھا لیکن ایسا نہ ہوا میں اس وقت دھان منڈی والے مکان میں رہ رہا تھا۔ متعلقہ انجینیئر افسر کے پاس جا کر شکایت کے لئے زبان کھولی۔

اس نے برجستہ عرض کیا۔

اردو نہیں چلے گا۔ بنگلہ زبان بولیں۔

میں نے عرض کیا کہ

میں بنگلہ نہیں جانتا ہوں کہیں تو انگریزی میں بولوں۔

چنانچہ سنی ان سنی کردی۔ کچھ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اور برافروختہ ہو کر کہا جائیے کچھ نہیں ہوگا۔

میں نے تب عرض کیا

اچھا تو اب آپ سے ملاقات کورٹ میں ہوگی۔ گھر آ کر قانونی نوٹس دے دیا۔ تعصب سے بھرا ذہن اس کو عقل میں کوئی بات نہ آئی تو چند اپنے ماتحت ہماری کام کرنے والوں سے کہا کہ جاؤ وکیل صاحب سے کہو کہ مقدمہ نہ کریں ہم کنکیشن لگوا دیتا ہوں۔

اگر وکیل صاحب نے کنکیشن نہ لگوایا اور مقدمہ کر ہی دیا ایسی شکل میں تم سب کی ملازمت ختم کردوں گا۔

وہ سب میرے پاس افتاں وخیزاں آئے اور رو رو کر منت و سماجت کرنے لگے کہ کنکیشن لگوا لیں اور مقدمہ نہ کریں ورنہ ہم سب لوگوں کی ملازمت ختم ہو جائے گی۔ مجبوراً کنکیشن لینی پڑی اور مقدمہ کرنے سے باز آنا پڑا۔ یہ

میرے ساتھ ہوا۔ غریب غیر بنگالیوں کے ساتھ کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا جو محدود وسائل و ذرائع کے مالک ہوں گے۔

پاکستان مرکزی حکومت کے خلاف جو بغاوت کی گئی اس بغاوت کے آثار کے وقت سے لے کر قیام بنگلہ دیش تک جو غیر بنگالیوں کا قتل عام ہوا ساتھ ساتھ ایک بڑے پیمانے پر دینی کتابوں (عربی، فارسی اور اردو زبان میں تھیں)، نذر آتش کی گئیں قرآن پاک اور احادیث تک کو نہ چھوڑا صرف اس لئے کہ قرآن پاک کا نازل کرنے والا بنگالی نہیں تھا۔ جس پر قرآن پاک نازل کیا گیا وہ بنگالی نہیں اور جس زبان میں نازل کیا گیا وہ بنگالی زبان نہیں تھی۔ بنگالیوں نے غیر بنگالی داماد کو ذبح کر دیا۔ غیر بنگالی بہو کو زندہ نہیں چھوڑا۔ نواسوں، نواسیوں، پوتا اور پوتیوں تک کو نہ بخشا۔

سنتاہار میں ایک ضعیف العمر تھے۔ ان کا نام مقتدا کریم تھا۔ انتہائی بزرگ سب لوگ عزت کرتے تھے۔ آبائی وطن جون پور (یوپی) تھا۔ پچیس سال سے دینی تعلیم و تربیت دیتے آ رہے تھے۔ کافی تعداد میں حفاظ تیار کئے تھے۔ مسجد کی امامت بھی کرتے تھے۔ اس دوران طوفان میں ایک شاگرد رشید نے داؤ سے (ایک ہتھیار ہوتا ہے) مار مار کر ہلاک کر دیا اور کہتا گیا کہ ایک طویل مدت سے بنگال میں رہ رہے ہیں اور بنگلہ زبان نہیں سیکھا۔

اس سیلاب میں کیسے کیسے لوگ بہے کہ کچھ لوگ ایسے تھے جو ان مسائل پر محتاط قدم اٹھاتے تھے۔

۱۹۶۹ء کے مورخہ ۲۱ فروری کو غلام سرور صاحب ڈھاکہ جماعت اسلامی کے سیکرٹری تھے اپنے کچھ کارکن کو لے کر اس تحریک بنگلہ زبان میں مارے گئے لوگوں کے قبر پر قرآن خوانی کے لئے پہنچ گئے اور بنگلہ زبان کے حق میں زوردار بیان دیا اور مرکزی حکومت پر شدت سے برسے۔

ایک مرتبہ ایوب خاں صاحب سابق صدر پاکستان انتہائی محتاط الفاظ

اور دبے دبے الفاظ میں اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ

اگر قومی زبانیں اردو و بنگال کی اسکرپٹ عربی زبان میں کر دی جائے تو زبان کا مسئلہ حل ہو جائے۔

بس کیا تھا بھڑ کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا۔ سارا مشرقی پاکستان تن تنا کر کھڑا ہوگیا۔ جلسہ و جلوس کا سلسلہ، بیانوں اور تنقیدوں کی بھرمار شروع ہوگئی مجبوراً انہیں جواب میں صفائی پیش کرنی پڑی۔

اسی طرح ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ

میرپور میں بس سے شہر آرہا تھا۔ چند یونیورسٹی کے طلبہ بس میں سوار ہوگئے ایوب گیٹ کے پاس بس آکھڑی ہوگئی۔ ایک بنگالی طالب علم کی نظر ایک کتبہ پر پڑی جوکہ آیات قرآنی کا ایک ٹکڑا تھا۔

وہ طالب علم غصہ میں کہتا جا رہا تھا کہ دیکھو ایوب خان نے گیٹ پر اردو لکھ دیا۔ اب کس کی مجال تھی کہ کہے اردو میں نہیں عربی میں ہے۔ آیات قرآنی ہے ظالموں نے اردو کی ضد میں عربی پڑھنا چھوڑ دی، قرآن پاک کی تعلیم سے روگردانی کی۔ دینیات پڑھنا گناہ سمجھا جانے لگا۔

میرے محترم دوست بھائی ابوالہاشم صاحب متحدہ بنگال مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل رہے۔ ان کے والد ابوالقاسم صاحب کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر تھے بنگال میں اپنے وقت کے چوٹی کے راہنما تھے۔ مقرر پہلے درجے کے تھے۔ بنگال میں ہم عصروں میں دو ہی مسلمانوں کے راہنما تھے۔ ایک ابوالقاسم صاحب بردوان دوسرے فضل الحق صاحب بریسال۔

ابوالہاشم صاحب بنگال مسلم لیگ پر چھائے تھے۔ بنگلہ اور انگریزی زبان کے اول درجہ کے مقرر بعد میں عربی پڑھ اور اس عربی زبان میں تقریر کرنے لگے آنکھوں سے مجبور (نابینا) لیکن انتہائی ذہین۔ ننہال ان کا بہار شریف، خانقاہ محلہ۔ مخدوم بہاری کا خاندان۔

ایوب صاحب نے انہیں ڈائرکٹر اسلامک اکیڈیمی ڈھاکہ اور اسلامک ایڈوائزری کونسل میں رکھ لیا۔ بنگلہ زبان کے دلدادہ تھے لیکن اسلام کا درد تھا اگر اسلامک ایڈوائزری کونسل میں نہ ہوتے تو ایوب صاحب فضل الرحمن کے ذریعہ سود، شراب اور جواسب کو جائز قرار دلوا چکے ہوتے۔ لیکن یہ ہمیشہ آڑے آئے اور فضل الرحمن کی ایک نہ چلنے دیتے تھے۔ ساری تقریریں مجھے بعد میں بتاتے رہتے تھے۔

ابوالہاشم سے نورالامین صاحب کی پرانی تنظیمی رقابت چلی آرہی تھی۔ متحدہ بنگال کی مسلم لیگ میں نورالامین صاحب کی چونکہ کوئی خاص حیثیت نہیں مگر قیام پاکستان کے بعد نورالامین صاحب کو خواجہ ناظم الدین صاحب نے چیف منسٹر بنادیا ادھر ہندوستان میں زمین مسلمانوں کی تنگ ہونے کے سبب ابوالہاشم صاحب کو ہجرت کر کے مشرقی پاکستان آنا پڑا۔ آتے ہی پرانی رقابت کے پیش نظر ہاشم صاحب کو جیل میں ۱۸ مہینہ تک مقید رکھا اور سخت اذیتیں دیں۔ ادھر گھر پر فاقہ کی نوبت تھی۔

ہاشم صاحب بنگلہ زبان کے دلدادہ بھی تھے اور اسلام کا درد بھی رکھتے۔ ویسے یہ تضاد انہی میں دیکھا۔ میں نے ان کو کشمکش میں پایا۔ اسلام سے وابستگی کے وقت وہ پکے مسلمان نظر آتے تھے اور بنگلہ زبان کی باتیں آتیں تو وہ بنگالی ہوجاتے مگر بنگلہ زبان کی ترویج کم اسلام زیادہ۔

ضعیف العمری اور آنکھیں نہ ہوتے ہوئے بھی عربی سیکھ لی اور عربی تحریر و تقریر کی مہارت حاصل کرلی۔ قرآن کی تفسیر بنگلہ زبان میں شروع کی اور کسی حد تک کیا۔ سرسید مرحوم کی تصویر اپنے آفس میں آویزاں کیں۔

علامہ اقبال کے بھی مداح تھے اور اکثر مجھ سے کہا کہ مجھے ان کی کتابیں پڑھاؤ۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ

ان سے میری تلخ باتیں ہوگئیں۔

وہ اکثر مجھ سے مطالبہ کرتے تھے کہ بنگلہ پڑھو۔ میں ٹال دیا کرتا تھا ایک مرتبہ بضد ہو گئے تو

میں نے عرض کیا کہ

میرے پاس وقت نہیں۔

کہنے لگے تم مت آؤ میں خود تمہارے گھر ہفتہ میں دو تین مرتبہ آجایا کروں گا چائے و سگریٹ پیوں گا۔ ناشتہ تمہاری مرضی پر۔

میں نے عرض کیا کہ

میں وقت معینہ پر گھر پر نہ رہ سکا تو آپ کو تکلیف ہو گی اور مجھے یہ گوارا نہیں تب خفا ہو گئے۔

کہنے لگے تم کو اس زبان سے خاص نفرت پیدا ہو گئی ہے۔ میں تمہارا دوست ہوں اگر بنگال میں رہنا ہے تو سیکھنا پڑے گی۔

میں نے عرض کیا کہ

دیکھئے مجھے کسی زبان سے نفرت نہیں میرے یہاں تو چین جاکر بھی علم سیکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ویسے کوئی زبان کسی کے حلق سے اتاری نہیں جا سکتی۔ زبان کی کشش و جاذبیت خود کو منواتی ہے۔ مجھے ضرورت مجبور کرے گی تو دیکھا جائے گا ویسے مجھے بنگال میں رہنا ہے نہ ہمیشہ رہنے کے لئے آیا ہوں اب رہا بنگلہ زبان کی بات تو سن لیجئے زبان، زبان کی حیثیت سے سیکھنا گناہ نہیں لیکن اس زبان کی پشت پر فتنہ پرور پاتا ہوں۔ اس کے ذریعے پاکستان میں علیحدگی کے جذبہ کو ابھارنا، نفرت کی داغ و بیل ڈالنی اور خلیج تفریق کو وسیع تر کرنا ہے۔ یہ زبان ہندو اور ہندوستان کی غلامی کی جانب تیزی سے بڑھ رہی ہے اور ملت اسلامیہ میں افتراق کا ذریعہ بنایا جا رہا ہے۔ بات ختم ہو گئی وہ میری تقریر سن کر خاموش ہو گئے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ اکیڈمی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک مولوی نواکھالی

سے آیا ہوا تھا اور وہ کچھ بھائی ہاشم کی تحریر پر تنقید کر رہا تھا۔ اس مولوی کے جانے
کے بعد وہ مجھ سے کہنے لگے۔

ہدی صاحب!

آپ کے اردو و فارسی میں اچھا ہے۔ عربی کا ترجمہ کرتے وقت کسی
لفظ کے ترجمہ کے لئے اسب لفظ نہیں ملتا
تو وہی لفظ عربی رکھ دیا جائے تو چسپاں ہو جاتا ہے۔ مجھے بڑی دقتوں کا
سامنا کرنا پڑتا ہے۔

تب میں نے برجستہ عرض کیا۔

اسی لئے "تا" ئیں کہتا ہوں کہ زبان ایسی سیکھنی چاہیے، جو قرآن پاک کی زبان
سے قربت رکھتی ہو۔ ویسے بھی بنگلہ بائیں ہاتھ سے لکھی جاتی ہے۔ الٹی علم، الٹی منطق
الٹی ذہن اور سب کے نتیجہ میں الٹی فکر اور الٹی چال۔

حال بنگالیوں کا دیکھ لیجیے" پھر

کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ"

خاموش ہو گئے" کہنے لگے تم نے موقع نکال کر خوب" کار زر کیا

آدمی انتہائی دلچسپ، خوش مزاج، ذہین اور خلیق۔ کبھی کبھی غصہ بھی آتا ہے
لیکن م بال بلبلے کی مانند ختم بھی ہو جاتا ہے۔

تنقید منہ پر سننے کے عادی۔ ملنے کا معینہ وقت نہیں لوگ آتے رہتے
ہیں اور جاتے رہتے ہیں۔

سقوط ڈھاکہ کے قبل ڈیڑھ سال تک تو ہم ہماری خاص کر ہم میرپور
والے موت و حیات کی کش مکش میں بھوک و پیاس اور لوٹ و غارت گری
کے شکار رہے۔ باہر نکلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ باہر نکل سکوں اور کسی سے
مل سکوں۔ اس لئے ان سے بھی ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ اس ملٹری ایکشن کے دوران
ملاقات ہوئی تھی۔

بہر کیف ایک بار باہر میں نکلا۔
بھائی ہاشم کو میں نے ٹیلیفون کیا۔ کہنے لگے تم زندہ ہو۔ آجاؤ گاڑی بھیج رہا ہوں۔
میں نے کہا نہیں نہیں!
مجھے تو آپ کا افسوس ہے کہ آپ بھی "مسلمان" سے "بنگالی" ہو گئے۔
میں موت کے دہانہ پر جب کھڑا وقت کا انتظار کر رہا تھا تو آپ کہاں تھے۔
انہوں نے کہا آجاؤ پھر بتاؤں گا کہاں تھا۔
بہر کیف میں گیا۔
انہوں نے میرے الزام کے جواب میں تسلی بخش جواب دیئے میں مطمئن ہو گیا۔
کہنے لگے میں کل گھر پر آؤں گا۔ جب تک بچوں سے ملوں گا نہیں۔ مجھے اطمینان نہیں ہو گا۔
میں نے عرض کیا۔
میرے پاس آپ کو بٹھانے کے لئے جگہ نہیں رہا۔ کہاں بٹھاؤں گا۔ کوٹھی سے نکال کر آپ لوگوں کی ملٹری نے قبضہ کر لیا ہے اور اپنا کیمپ بنایا ہے۔ وہاں منڈی کے مکان سے بھی بے دخل کر دیا ہے۔ میں ایک تنگ و تاریک کمرہ پر چٹائی پر سوتا ہوں، کھاتا ہوں، پکاتا ہوں اور پانی رکھتا ہوں۔
کہنے لگے میں تمہارے دروازہ پر اپنی گاڑی میں بیٹھا رہوں گا۔ مگر آؤں گا۔
چنانچہ آئے تین گھنٹہ تک چٹائی پر میرے ساتھ بیٹھ کر باتیں کرتے رہے میری سنتے رہے، اپنی کہتے رہے۔ ہندوستان کی زیادتیوں کا رونا روتے رہے بنگالیوں کی ناعاقبت اندیشیوں پر کف افسوس ملتے رہے۔
مجیب اینڈ کمپنی کا تمثیل اور فحش الفاظ میں شکوہ کرتے رہے۔ مجھ سے

صورت حال پر تبصرہ کرنے کو کہا۔
میں نے عرض کیا۔
میں مسلمان ہوں، پاکستانی ہوں، شکست خوردہ ہوں۔ مشرقی پاکستان پر جو میرا حق تھا اس سے مجھے ہمیشہ کے لئے دستبردار کیا جا چکا ہے اور ابھی تک موت کا خطرہ ٹلا نہیں ہے، اس لئے تبصرہ سے باز رکھیں۔
ہاں چلتے چلتے میں نے یہ عرض کیا کہ
جب آپ رات کو بستر پر آرام کرنے جائیں تو تنہائی میں غور کریں گے کہ بنگالیوں نے یہ سب کچھ کر کے "کیا کھویا اور کیا پایا"۔
کہنے لگے میں نے مکمل جواب پا لیا ہے۔
کہنے لگے ہو گا کیا۔
میں نے عرض کیا ہو گا کیا۔
ابدی مفلوک الحالی اور ابدی ہندوؤں کی غلامی۔
سات ساڑھے سات کروڑ کی دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی۔ پچاس ہزار مربع میل رقبہ سے کچھ زیادہ۔ ہر چہار جانب ہندوستان کی سرحدیں۔ اپنی صلاحیت نہ انتظامی اور نہ سرحد کی حفاظت پر قادر۔ پنجابی فوج جنہیں ہندوؤں سے مل کر انتہائی ذلت کے ساتھ نکالا اور بے دردی سے قتل کیا وہ کسی قیمت پر دوبارہ حفاظت کے لئے نہیں آ سکتی۔ اس لئے مناسب ہے کہ متحدہ بنگال کے لیے کوشش کریں۔ تحریک چلائیں۔
لیکن افسوس ہندوستان یہ بھی نہیں چاہے گا۔ وہ لوٹنا چاہتا ہے۔ کھلانے اور پہنانے کی ذمہ داریاں قبول نہیں کرے گا اور کبھی متحدہ بنگال کے لئے ہندوستان تیار بھی ہو جائے لیکن وہ اسٹیج ابھی نہیں آیا ہے۔ اُسے ساری آبادی کو بھوک و افلاس سے بھوکا رکھنے پر کھڑا کرنا ہے۔ اسلام پسندوں اور پاکستانی ذہن کے لوگوں کا صفایا کرنا ہے۔ عوامی لیگ کے کارکنوں کو مروانا ہے ہندو آبادی کو مسلط

کرنا ہے۔ مسلمانوں کو ہندوؤں کی ذہنی غلامی پر آمادہ کرنا ہے۔ ہندو جوانوں کو بنگلہ دیش سے لے جاکر ہندوستان میں عسکری تربیت دے کر واپس بھیجا جانے کا کام شروع ہوگیا۔

آخر ۲۵ سال تک مغربی پاکستان، مغربی پاکستان کے اسلام دوست اور پاکستان نوازوں کو ستایا جاتا رہا۔ بے جا، ناروا، لغو اور جھوٹ الزام تراشیاں کی جاتی رہیں۔ بہاریوں پر ابتدا ہی سے عرصہ حیات تنگ کیا جاتا رہا۔ محسنوں کو ڈسا گیا۔ اللہ کی رحمت کو بے دردی سے ٹھکرایا گیا۔ مجیب زندگی بھر یہی کہتا رہا ہے کہ فوج کی مجھے ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہندوستان سے میری دوستی ہے دشمنی نہیں۔

یہ کچھ ڈھکی چھپی باتیں نہیں کہ قیام پاکستان کے بعد ہی صورت حال نے کروٹ لی ہندو بنگالی سے دشمنی کی بجائے غیر بنگالی سے دشمنی کی تند و تیز ہوائیں چلائی گئیں۔ شد و مد سے غیر بنگالیوں کے خلاف افترا پردازی شروع کر دی غلط پروپیگنڈا ایسے تھا سبھائیوں پر بھی فوقیت رکھتے ہیں۔ طرح طرح کے من گھڑت الزامات غیر بنگالیوں کے خلاف تراشے گئے۔ اس وقت کے مسلم لیگی زعماء نے کہنا شروع کر دیا کہ غیر بنگالیوں کو ریلوے اسٹیشنوں پر جب دیکھتا ہوں تو خون کھولتا ہے۔

چنانچہ بنگالیوں کا وطیرہ بن گیا کہ مشرقی پاکستان کے کسی ادارے یا کسی جگہ کچھ فساد یا تضاد ہو، چاہے بنگالی ہی بنگالی کا کیوں نہ ہو۔ خون مظلوم بہاری کا بہایا جاتا رہا۔ یہ معمول بن گیا۔

معراج ... یہ معاملہ ۱۹۵۴ء میں پیش آیا۔ جب آدم جی جوٹ مل میں جو خونی ڈرامہ کھیلا گیا۔ ہزاروں غیر بنگالیوں کو مار مار کر بیتیا لکھیا کی لہروں کے حوالہ کر دیا گیا۔ یہ قتل و غارت گری ماہ رمضان کے مبارک مہینہ میں کی گئی یہ سب کچھ فضل الحق کے بھانجہ عزیز الحق صاحب کی سرپرستی میں ہوا۔

اس طرح چندر گونا پیپر مل میں بھی ۱۹۵۴ء میں غیر بنگالیوں کے خون سے بنگالی مسلمانوں نے ہاتھ رنگا اور ہزاروں کو مار مار کر نافلی ندی کے حوالے کر دیا خورشید مرحوم ماہر پیپر ٹیکنالوجی (غیر بنگالی) کو مخلص الرحمٰن مسلم لیگ کے فضل الرحمٰن کے بھائی نے مروایا۔

پارتی پور میں فروری ۱۹۵۹ء میں دو سو غیر بنگالیوں کے جھونپڑوں کو نذر آتش کر دیا گیا۔ یکم نومبر ۱۹۵۹ء میں میر پور میں میری کوٹھی کے سامنے پولیس نے بڑے پیمانے پر ظلم و تشدد روا رکھا۔ صرف اس لئے کہ بہاری ووٹر لسٹ پر اردو میں دستخط کا حق کیوں مانگتے ہیں۔

دستور ساز اسمبلی کا اجلاس یحییٰ خان نے ملتوی کیا فوراً ہی ڈھاکہ میں بہاریوں کا قتل و غارت گری شروع ہو گئی۔

مگر کسی انصاف پسند بنگالی کے منہ میں زبان تک نہ تھی کہ ان مظالم کے خلاف ایک آواز بھی اٹھائے اور دادرسی کرے۔ اگر کوئی حق پسندوں کی جانب سے آواز اٹھی تو یہ کہ آپ غیر بنگالی جب تک بنگلہ نہ سیکھیں گے اور گھلے ملیں گے نہیں یہی ہوتا رہے گا۔ اس لئے گھل مل جائیں۔

میں ہمیشہ دریافت کرتا رہا کہ بھائی مجھے گھلنے ملنے کے اجزاء ترکیبی بتائیں غیر بنگالی بنگالیوں میں شادی بیاہ کر ہی رہے ہیں۔ بچوں کو بنگلہ بھی پڑھوا رہے ہیں اور کیا کریں کہ یہ بنگالی ہو جائیں۔

بنگالی تو بن جائیں گے لیکن یہ اسلام اور پاکستان کی محبت سے درگذر کیسے کریں گے اس کی ترکیب بتاؤ۔ ہندوؤں میں شدھی ہونے کے لئے گائے کا پیشاب پینا پڑتا ہے اور گوبر پھانکنا پڑتا ہے اب اگر اس قسم کی چیز ہے تو بتاؤ۔

میرے خیال میں اردو کو دیس نکالا دے کر جو پاکستان چاہتا ہے تو غلط اس لئے کہ اردو پاکستان، تحریک کی زبان ہے۔

نظریہ پاکستان کی ایک شق گویا پاکستان کا ایک ستون۔ ستون کو گرا کر

پاکستان کو ماننے سمجھو۔ قرآن و سنت کی حکومت کو استوار کرنے کے نظریہ کو نظر انداز کر کے پاکستان کو چاہنے والا درحقیقت پاکستان کا دشمن ہے۔ یہی سب سے بڑی شق نظریہ پاکستان کی ہے۔ یہ پاکستان کا مضبوط ترین ستون ہے۔ یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ یہی تخیل تھا کہ برصغیر کے مسلمانوں کو پاکستان کے حصول کے لئے تن من دھن کی بازی لگانے پر مجبور کیا۔

یہ اور بات ہے کہ نورالامین صاحب یہ کہیں کہ برصغیر کے مسلمانوں نے معاشی حالت کو سنبھالا دینے کے لئے پاکستان کا وجود عمل میں لایا گیا تھا۔ ان کا اور محمود علی صاحب نے اس شاندار نادر تخیلات کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ پی۔ڈی پی کا نام جس سے اسلامی نکتہ نگاہ کی وضاحت ہو یا اسلامی جذبہ کی عکاسی کرے یا اسلامی اسپرٹ کی جاذبیت و کشش ہو۔ انکار کیا اور چوہدری محمد علی صاحب، نصراللہ خاں صاحب، مولوی فرید احمد صاحب اور مولوی مصلح الدین صاحب کے مسلسل اصرار پر بھی تیار نہیں ہوئے۔

اس طرح مشرقی پاکستان سے اسلام کو دیس نکالا دے کر نورالامین صاحب محمود علی صاحب اور سلام خاں مرحوم ایڈووکیٹ پاکستان کی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ انہیں شاید یہ معلوم نہیں۔

"تو م مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں"

اسی طرح اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ غیر منقسم ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کا قومی وطن یہ نہیں ہے تو گویا وہ نظریہ پاکستان کی ایک بنیادی شق سے انحرافیت برتتا ہے۔

چنانچہ ہندوستان سے آئے ہوئے مسلمان یہاں پاکستان میں بطور رحم کے نہیں بطور استحقاق کے ہیں۔ اس لئے ہندوستان سے آئے ہوئے مسلمانوں کی کسی قسم کی حق تلفی ان کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ ان کا بھی مقامیوں کے ساتھ مساوی حق ہے۔ اسی طرح دنیائے اسلام سے کوئی اخوت اسلامی کے

تحت دوستانہ اور برادرانہ رشتہ استوار کئے بغیر نظریہ پاکستان کا حامل نہیں کہلا سکتا۔ یہ بھی بیش بہا شق نظریہ پاکستان کی ہے۔

یحییٰ خان نے (بجائے جداگانہ انتخاب کے تصور) کے مخلوط انتخاب کی اسکیم پہ رضامندی اور عمل پیرا ہو کر اور الیکشن لڑ کر نظریہ پاکستان کی بیخ کنی اور علیحدگی کی راہ ہموار نہیں کی گئی ؟ الیکشن لڑنے والی پارٹیوں کا یہ عمل صائب کہلا سکتا ہے ؟

دو قومی نظریہ کے تصور کا ملیامیٹ اور عوامی لیگ کو کیا کھل چھٹی نہیں دی گئی کہ وہ بنگالی ہندوؤں کی معاونت سے الیکشن میں بھرپور کامیابی حاصل کرے کیا اس تصور کو تقویت نہیں ملتی کہ پاکستان نواز بنگالی یہ سوچیں کہ علیحدگی ہو کر رہے گی بنگالی ہندوؤں کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہو گا اس لئے عوامی لیگ کا ساتھ دو۔

چنانچہ سارے مشرقی پاکستان کے بنگالیوں نے ایک دل اور ایک زبان ہو کر مجیب کے چھ نکات کے حق میں رائے دی اور غیر بنگالیوں کے لئے زمین تنگ سے تنگ کر دی گئی۔ دو کرنسی اور دو معاشیات کے دائیوں کی بن آئی۔ حالانکہ یہ احمقانہ تصور ہی کیوں نہ ہو۔

اب ماہر معاشیات رحمٰن سبحان جیسے لوگ بتائیں کہ وہ کہاں ہیں، بنگلہ دیش کہاں ہے۔ سنار بنگلہ کا خواب کیا ہوا۔

فضل القادر مرحوم نے جیل میں تاج الدین اور دیگر آفیسروں سے گرج کر اور ہاتھ چمکا کر کہا کہ بنگالیوں کو جہنم میں ملا دیا ہے نا اب موڑھی اور "پنتھا" بھات کھاؤ

وہی فضل القادر مرحوم نے کورٹ میں فرمایا کہ

بھئی سارا بنگلہ دیش تو سونا ہی سونا ہو گیا، یا پانچ گز زمین ۔ سونا نہ بنا تا کہ میں ۔گڑ سکوں۔

بھیک مانگنا اور چوری کرنا وہاں معیوب نہیں تصور کیا جاتا اور اب

توقیر ہندوستان نے اپاہج بنا کر دنیائے انسانیت یا بین الاقوامی چوراہے پر رکھ دیا ہے کہ بھیک مانگو اور ہمیں کھلاؤ۔ بنگلہ دیش کی مدد کرنے والی قومیں یہ سمجھ لیں کہ وہ بنگلہ دیش کو نہیں ہندوستان کے پچیس کروڑ ہندوستانیوں کی مدد کر رہے ہیں۔ یو۔ این۔ او نے جو مدد بنگلہ دیش کو دی گئی وہ کہاں جاتی رہی ہے۔ ساری دنیا امداد دے کر تھک جائے گی، بنگلہ دیش کی شکم پروری، غربت اور افلاس کو دور نہیں کر سکے گی۔ ساری امداد بے سود ثابت ہو گی۔ ہندوستان استفادہ حاصل کرتا رہے گا۔ ریلیف کے سامان کا اندراج تو چٹاگانگ ہوتا ہے مال کلکتہ اترتا ہے اور جو نہیں اترتا وہ بھی خشکی کے ذریعہ پہنچا دیا جاتا ہے۔

بہ ہیں عقل و دانش بباید گریست

اسی طرح بنگالی ازل ہی سے پنجاب کے بسنے والوں کے خلاف نفرت پھیلاتے رہے ہے۔ تہمت و الزام تراشی کرتے رہے۔ نت نئے غلط پروپیگنڈے اور بے جا شکایتوں کی من گھڑت تصویریں کھینچتے رہے۔ عوام کو یہ تاثر دیتے رہے کہ پنجابی ان کی حق تلفی کرتے ہیں حالانکہ صورت حال بالکل برعکس رہی۔

یہ مغربی پنجاب کے لوگ تھے۔ جنہوں نے پورے مشرقی پنجاب کے لٹے پٹے تباہ حال، خون کے دریا پار کر کے آنے والے مشرقی پنجاب کے مسلمان بھائیوں کو پناہ دی۔ ان کا خیر مقدم کیا، ان کو جگہیں دیں اور ان کی خاطر تواضع کی۔ کہیں سے سوائے مدد و امداد کے شکایت کا موقع نہیں دیا اور اپنے میں شیر و شکر کی طرح گھلا ملا لیا۔

یہ پنجاب کے بسنے والے ہیں کہ جنہوں نے آج تک شکایت نہیں کی کہ ان کی بھی حق تلفی ہوئی ہے بلکہ جب کبھی موقع آیا اپنے حق کو قربان کیا۔ پاکستان کو جب کبھی خطرہ لاحق ہوا تو پاکستان اور اسلام کی عظمت کو برقرار رکھنے سینہ سپر ہو گئے اور کبھی بھی کسی قربانی سے دریغ یا روگردانی نہیں کی۔

اردو کو سہارا ہمیشہ پنجاب سے ملا۔ یہ پنجاب کے لوگ ہیں جنہوں نے

ہمیشہ مضبوط مرکز اور مضبوط پاکستان کے لئے سب کچھ نچھاور کرتے رہے نظریہ
پاکستان کی ہر ہر شق سے ان کا سینہ معمور رہا۔

اللہ سے دعا ہے کہ پنجاب کے مسلمانوں میں روائتی جذبۂ ملی اور اخوت
اسلامی اور پاکستان کے لئے سب کچھ تج کر صف آراء ہونے کی اسپرٹ کو قائم رکھے
پنجاب سے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ وہ علامہ اقبالؒ کی زمین ہے۔ پنجاب ان
کی تعلیم سے وابستہ و سرشار ہے۔ اس تعلیم سے دوسرے جگہ کے عوام کو بہرہ ور
ہونے اور اپنانے کی سعی کرنا چاہیئے۔ بڑے صبر و ضبط کے لوگ ہیں۔ حوصلہ مندی
ان کا شیوہ ہے۔

یہ بنگالی مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے پر تو تل ہی گیا۔ مغربی پاکستان کا بیڑہ بھی
غرق کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ جو جہاں جس عہدہ پہ فائز تھا، غداری اور
سازش پر کمر بستہ ہوگیا۔

اب ہندوستانی اخبارات میں آئے دن مضمون آتے رہتے ہیں کہ بنگالی مغربی
پاکستان کو بھی تباہ کرنے، ہندوؤں کا غلام بنانے اور انہیں ذلت آمیز شکست
دلانے کے لئے کیا کیا اور کس کس طرح کارہائے نمایاں انجام دے رہا تھا ان
سے وفا کی توقع نہیں یہ نہیں جانتے دفا کیا ہے۔ غداری، بے وفائی اور سازش
اور عیاری ان کی سرشت ہے۔

کس کس کو سناؤں اور کیا کیا سناؤں۔ یہ ڈاکٹر مالک صاحب بڑے نیک
بڑے پاکستانی اور بڑے اچھے لوگوں میں شمار ہوتا ہے لیکن انہیں جب گورنری
پیش کی گئی تو انہوں نے چند شرطیں پیش کیں (جن میں چند یہ ہیں) جن کے پوری
ہونے پر وہ گورنری قبول کریں گے۔

پہلی شرط۔ ہندوستان بھاگنے والے بنگالیوں، قاتلوں، زانیوں، لیڈروں
اور دشمنانِ پاکستان کو عام معافی دی جائے۔

جنرل ٹکا خان جنہوں نے مٹھی بھر فوج کو لے کر مشرقی پاکستان کی بگڑی

ہوئی صورت حال اور بغاوت کو خوش اسلوبی سے فرد کیا۔ اپنی جوانمردی، اسلام
دوستی، حب الوطنی کا بھرپور مظاہرہ کیا اور اس طرح مشرقی پاکستان کے دہکتے ہوئے
آگ میں مٹھی بھر جوانوں کو لئے ہوئے کود پڑے ۔ ایسے جیسے

"بے خطر کود پڑے آتش نمرود میں عشق"

ایسے جیسے کوئی کشتی کو نذر آتش کر کے آیا ہو تخت یا تختہ کا جذبۂ اسلامی ۔
انہیں یہاں سے تبدیل کر دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یحییٰ خان نے تمام شرطیں
پوری کر دیں۔ اب کیا تھا ہندوستان بنگالی مسلم اور ہندو تربیت یافتہ جوانوں کو
تخریب کاریوں کے لئے بھیجنا بھیجا۔ ہندوستان کی فوج گاؤں گاؤں میں آ گئی۔ اب
تو حکومت کے لالے پڑ گئے۔ صورت حال بگڑتی گئی ۔
گورنر ہو گئے۔ منسٹری میں مہاجروں کو بھی لینے کی بات چلی تو کہنے لگے ابوالقاسم کو

لے لیا ہے ۔
غیر بنگالی کی یہاں جگہ نہیں۔ یہ ابوالقاسم صاحب اپنے غیر بنگالی دوستوں
کو مشورے کچھ دن پہلے دیتے رہے تھے کہ مغربی پاکستان کہاں جاؤ گے۔ اسلام آباد

سے پایۂ تخت یہاں ڈھاکہ عنقریب لاتا ہوں ۔
وہ معلوم کر کے تعجب نہیں ہونا چاہیئے کہ سیدپور کی بہاری آبادی
جو زیادہ تر ریلوے کارخانہ کے ملازمین پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے
ریلوے چلائے، ریلوے کارخانے چلائے ان کی آبادی لاکھ سے اوپر تھی۔
یہ بہاری ہندوستان سے پاکستان کی محبت میں ترک وطن کر کے مشرقی پاکستان آئے
کئی سالوں تک جھونپڑوں اور ویگنوں میں زندگی گذاری تھی۔ بڑے دکھ
سہے تھے۔ بڑے وقت کا مقابلہ کیا تھا۔ اس طرح خون جگر کے چھینٹے دے دے

کر وطن کی خدمت کی تھی ۔
اس طرح سنتاہار، پکسی پاربتی پور، اور مینز ہاٹ وغیرہ غیر بنگالی بستیاں اسی
نوعیت کی تھیں۔ یہ وفاداری ملت سے حکومت کو پسند نہیں تھی۔ حکومت اچھی

نظروں سے اسے دیکھ نہیں سکتی تھی چنانچہ پوری غیر بنگالی آبادی ناپسندیدہ طبقہ سے تصور کی جاتی تھی۔ یہ بستیاں ہمیشہ کسی نہ کسی شکل میں عتاب میں رہیں یہیں تک اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ سیدپور پر غنڈہ ایکٹ کا نفاذ بھی ضروری سمجھا گیا۔ یہ غنڈہ ایکٹ کے نفاذ کے ماتحت تمام ظلم و ستم کو قانونی جواز کا رنگ دے کر برابر تشدد کو مستقل راہ دے دی گئی انتہائی کوشش چیخ و پکار اس ظالمانہ اور متعصبانہ ایکٹ کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ مگر سب بے سود ثابت ہوتی رہیں۔ میں نے بھی مختلف ذرائع سے اس تضحیک آمیز اور ذلت آمیز ایکٹ کی تنسیخ کی کوشش کرتا رہا۔

لیکن سقوط ڈھاکہ کے بعد سب ہی بے سود ثابت ہو گئیں۔ ان کا قصور اسلام سے دلی وابستگی، پاکستان سے والہانہ محبت اور تیسرا قصور یہ بھی تھا کہ یہ کسی تخریب کاری اور ہڑتال وغیرہ کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔

بہاریوں کے خلوص کا تقاضا نہیں مجبور کرتا تھا کہ ہڑتال اور تخریب سے ملک کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہے وہاں یہ تصور کہ کباب میں ہڈی بنے بیٹھے ہیں ان کی وجہ سے ہڑتال اور توڑ پھوڑ کی تباہ کن پالیسی میں رکاوٹ پڑتی ہے۔ حکومت کا رنگ وہی ہوتا تھا جس کا مطالبہ عوام کرتے چاہے وہ ملک کے مفاد میں ہو یا نہ ہو۔ عوام کی غلط طریقہ پر دلجوئی فرض اولین سمجھا گیا۔

غیر بنگالی آبادیوں میں جو مسلسل پچیس سال حکومت کے ظلم سہتی رہیں اور نت نئے مظالم و تشدد برتے جاتے رہے وہ یہ ہیں میرپور، محمد پور، سیدپور، خالص پور، ہالی شہر، فیروز شاہ کالونی، وائرلس کالونی، آم بگان، سردار بہادر کالونی، بشیر شاہ کالونی، لال مینر ہاٹ، سنتاہار اور پاربتی پور۔ وغیرہ میرپور میں تو پلاٹ ایریا اور کوارٹر ایریا الگ الگ کر دیئے۔

کوارٹر غیر بنگالیوں کو پلاٹ عام طور پر بنگالیوں کو دیئے جاتے تھے۔ بعد میں منعم خان نے فائل سب اپنے پاس منگوا لئے تھے اور خود ہی

بنگالیوں کو زمین الاٹ کرتے گئے ۔ حالانکہ وہ زمین مہاجر ٹیکس سے خریدی
گئی تھی ۔ مقامی کو الاٹ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا ۔
غیر بنگالیوں کے خلاف جذبات کو بھڑکانے اور غیر بنگالیوں کا قلع قمع کرنے
میں منعم خان نے اہم کردار ادا کیا ۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ پچیس سالوں تک ، غیر
بنگالیوں پر تشدد ، ظلم ، قتل و غارت گری کے خلاف کبھی ایک ہلکی سی بھی آواز
کسی جانب سے نہیں اٹھی ۔ مگر اس کے برعکس لوگ جور و ظلم کا ساتھ دیتے تھے
یا پھر سب خاموش رہتے تھے اور اس طرح خاموش طریقہ پر ہمنوائی کرتے
رہے ۔ سیاسی پارٹیوں کو بھی جو اسلام و نظریہ پاکستان کی نام لیوا تھیں سانپ
چھو جایا کرتا تھا ۔ ساری اسلام دوستی ، اصول اور نظریہ اس تعصب و تنگ
نظری کی چٹان سے ٹکرا کر چکنا چور ہو جایا کرتی تھیں ۔ حق و صداقت کا جو خون
بنگلہ دیش کی سرزمین پر ہوا ہے ۔ اس کی مثال ذرہ مشکل ہی سے ملے گی ۔ ستم بالائے ستم
کہ ہر غلط کاموں کا الزام غیر بنگالیوں کے سر ٹھکیا رہا اور الزاموں کی تردید تک
کی اجازت نہیں ہوتی تھی ۔

کشمیر و بنگلہ دیش

کشمیر و بنگلہ دیش کا موازانہ عبث ۔ دونوں مسلم خطہ میں آسمان و زمین کا فرق ۔ ویسے کشمیر کی آبادی مسلمانوں کی پچاسی فی صد ، بنگلہ دیش کی نام نہاد مسلم آبادی کا تخمینہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے ۔

ایک خطہ وہ جہاں سے ساری ندیاں نکلتی ہیں اور سارے ہند و پاک کو سیراب کرتی ، فیاضی انتہا کی ۔

ایک ، خطہ وہ جہاں ساری ندیاں دم توڑتی ہیں اور سارے شمالی ہند کی گندگیاں لاکر بنگلہ دیش میں انبار کرد‌تی ہیں ایک خطہ وہ جہاں زعفران ، بنفشہ ۔ انواع اقسام کے سیب و دیگر پھلوں کی بھرمار ۔ دوسرا خطہ وہ جہاں کی خاص پیداوار جوٹ ، پھل میں کٹہل وڈا بھہ خاص حیثیت رکھتی ہے ۔ ایک خطہ جہاں کے بسنے والوں کے سینے جذبۂ اسلامی سے سرشار ، ایک خطہ وہ جہاں کے سینے اسلامی اسپرٹ سے عاری ۔ ایک خطہ وہ جو اخوت اسلامی اور اسپرٹ اسلامی شعار زندگی اور ایک خطہ وہ جہاں شعار اسلامی سے نفرت ۔ ایک خطہ وہ جہاں کے ہندوؤں کی غلامی کے جوئے سے گلو خلاصی کے لئے بیتاب ایک وہ جو ہندوؤں کی غلامی کو قبول کرنے کے لئے بیتاب ۔

دونوں خطہ سے میں بخوبی واقف ہوں ۔ دونوں جگہ سے مجھے قربت رہی دونوں جگہ کے لوگوں سے میرا قریبی واسطہ رہا ہے ۔ ایک جگہ تو خود رہ کر اور مزہ چکھ کر ، لٹ پٹ کر ، تباہ و برباد ہو کر اور لاکھوں محب وطن پاکستانیوں اور اسلام کے فدائیوں کے قتل و غارت گری ، ظلم و ستم اور جور و تشدد کا نظارہ

بچشم خود دیکھ کر واپس آیا۔

سینکڑوں عزیزوں جن میں عورتیں، بچے اور بوڑھے ہیں پیوند زمین کر کے چلا آیا۔ ایسی مسموم فضا اور ایسی سراسیمگی و اضطراب کی کیفیت کہ بس۔

"زمین تو زمین آسمان رو رہا تھا"

دوسرا خطہ کشمیر کا، بدقسمتی ہی کہوں گا کہ دیکھ نہ سکا۔ حالانکہ ایک طویل مدت زمانہ قیام علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں رہا۔ کشمیری طلباء کی اچھی خاصی تعداد رہی۔ تقسیم ہندوستان کے بعد اس میں اور اضافہ ہوتا رہا۔ بہتیرے کشمیری طلباء کشمیر چلنے کے لئے مدعو کرتے رہے۔

کشمیر میرے نہ جانے کی ایک وجہ اور بھی اور وہ یہ کہ حکومت ہند کی نگاہ میں میری ذات خوش آئندہ نہ تھی نہ جانے کس کس شبہات کو میرا وہاں جانا جنم دیتا۔

میں نے چونکہ علی گڑھ کے عروج اور زوال دونوں دور دیکھے۔ قیام پاکستان سے قبل کے علی گڑھ کو بھی دیکھا اور بعد کے دور انحطاط کا بھی مقابلہ کیا۔ کشمیر کے طلباء خاص کر قیام پاکستان کے بعد میرے گرد گھیرا ڈالے رہتے تھے۔ ان کشمیری طلباء کی اسلام دوستی، اسلامی برادری کا تصور اور قربت پاکستان کا جذبہ اتنا سخت مستحکم اور غیر متزلزل تھا کہ کچھ نہ کہیئے۔

سیاسی شعار عام خطہ کے طلبہ سے ان کا زیادہ بیدار اور خیالات میں گہرائی ہوتی تھی۔ اس جذبۂ صالح کا تقاضا تھا کہ مجھ سے ملتے اور اپنے دل کی باتیں کہتے تھے۔ ان کا مجھ میں مکمل اعتماد و یقین تھا کہ یہ مسلم لیگی اور پاکستانی خیال کے ہیں۔ میں ان کی ہر طرح مدد و معاونت کرنا اپنا فرض تصور کرتا تھا۔ زیادہ تر طلباء ایسے ہوتے جو جیل کی شدت جھیلے ہوتے تھے۔ اکثر و بیشتر شہر بدر کئے ہوتے تھے۔ وہ سیدھے میرے پاس آ جایا کرتے تھے۔ میں ان کا داخلہ کرا دیا کرتا تھا۔ اس طرح انہیں جائے پناہ مل جاتی تھی۔ کھانے کا انتظام ہو جاتا تھا

بقیہ اخراجات کا بندوبست کرادیا جاتا تھا۔

آج کشمیر کا کوئی گھر ایسا نہیں جہاں میرا کوئی دوست نہ ہو یا میرا بہی خواہ بیٹھا نہ ہو۔

چھٹیوں کے بعد جب یونیورسٹی کھلتی تھی تو تحفہ، تحائف کا وہ سلسلہ جاری ہو جاتا تھا کہ میرا کمرہ انواع و اقسام کے سیب، بادام، آخروٹ، کشمکش اور چائے سے بھر جایا کرتا تھا اس میں بھی انتہائی نفیس گرین ٹی۔ سال بھر چونکہ کمرہ میں یاران طریقت جمے رہتے۔ چائے چلتی رہتی تھی۔ اس میں زیادہ تر کشمیر کی چائے ہوتی تھی۔

یوں تو کشمیر کے الحاق کے سلسلہ میں باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ ایک لڑکا سوپور کا انتہائی جذباتی اور اسلامی اسپرٹ سے سرشار، نام نہیں بتاؤں گا۔ بڑے آدمی کا لڑکا تھا۔ مجھ سے پیٹ کر زار و قطار رونے اور کہنے لگا۔

ہدیٰ بھائی!

ہم لوگوں کا کیا بنے گا۔ کیسے پاکستانی بن سکیں گے۔ چلئے ہم نہ رہیں کوئی حرج نہیں، ہم ختم ہو جائیں کوئی ملال نہیں۔

کشمیر پاکستان کا حصہ بن جائے۔ میری روح خوش ہو گی۔ میری روح کو سکون مل جائے گا۔

اسی طرح ایک لڑکے سے مذاقاً۔

میں نے عرض کیا کہ

آج کل تو حکومت ہند کی کرم فرمائیاں کشمیر پہ بہت زیادہ ہیں۔

بے ساختہ رونے لگا اور کہنے لگا۔

ہدیٰ بھائی۔

قربانی کا بکرہ ہوں قربانی کا بکرہ۔

قربانی کے بکرے کو ذبح کرنے سے پہلے اسے پانی اور دانہ سے نوازا جاتا

ہے۔ یہی کرم فرمائیاں ہندوستانی حکومت کی عام ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ کیوں نہیں ہیں۔

اسی طرح برسرِ اقتدار ہندوؤں کو بھی ہندوستان میں کہتے سنا کہ پنڈت نے خواہ مخواہ کشمیر کے جھگڑا میں جکڑ کر رکھ دیا ہے سو سال بھی لگ جائیں تو یہ کشمیری مسلمان ہندوستان کے نہیں ہو سکتے۔ دیکھیے ہندوستان میں اسی روپیہ من چاول حکومت خرید کرتی ہے اور اسی چاول کو کشمیر میں بیس روپیہ فی من فروخت کرتی ہے۔

ہاں تو میں عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ

رقبہ کشمیر رقبہ بنگلہ دیش سے کہیں زیادہ۔ آبادی کشمیر کی بہت کم جب کہ بنگلہ دیش کی زمین زرخیز ضرور ہے لیکن آبادی اتنی کثیر کہ دنیا کے کسی خطہ کی آبادی فی مربع میل ہیں اتنی نہیں اور وہ بھی تیزی سے بڑھنے والی آبادی تمامتر اہمیتوں کے لحاظ سے جائے وقوع کشمیر کی اہم ترین یہ بات بنگلہ دیش کے ساتھ نہیں۔

کشمیری عوام پاکستان سے الحاق کے لئے پچیس سال سے جان توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ہندوستان کے ناپاک ارادوں کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہے ہیں، ہندوؤں اور ہندوستانی حکومت کے ظلم وستم سہہ رہے ہیں۔

لیکن ارادے متزلزل نہیں، خواہشات ہیں لرزہ نہیں اور ولولہ و جوش میں کمی نہیں۔ غربت، عسرت اور نکبت و افلاس بنگلہ دیش سے کچھ کم نہیں۔ لیکن ایمانی قوت و جذبہ ملی کی راہ ہموار کئے رہتے ہیں ان کی عسرت و غربت حائل نہیں بلکہ روح پر جلا پڑتی چلی جا رہی ہے۔

پاکستان کی انتھک کوشش، کشمیریوں کی جانفشانی کے بعد بھی بدقسمتی کہیے کہ "کشمیر آزاد نہ ہو سکا"

کشمیر کی جنگ آزادی کی بنگلہ دیش کے بنگالیوں نے برابر مخالفت کی

اور یہ فرماتے رہے کہ

"کشمیر تو ہمارا پرابلم نہیں" کشمیر ہم لوگوں کا مسئلہ نہیں یہ تو مغربی پاکستانیوں کا مسئلہ ہے۔ ان کا یہ خیال کہ رقبہ مغربی پاکستان کا بڑھ ہی جائے گا۔ ساتھ ساتھ کشمیر کی آبادی کی شمولیت سے کہیں ہم بنگالیوں کا نقصان نہ ہو جائے۔ وہ عینک جو لگائے ہوئے ہیں اس سے اور بھلا کیا چیز نظر آسکتی ہے۔

مشرقی پاکستان کے ہاتھ سے جانے کے بعد کشمیر کو آزاد کرانے کے امکانات روشن ہو گئے ہیں۔ ہندوستان کی حکومت کے لئے اب بھی مناسب یہی ہے کہ ہٹ دھرمی، ضد اور بددیانتی کے قطع نظر کشمیری عوام کی خواہش کے مطابق کشمیر کے دیرینہ مسئلہ کو بحسن و خوبی حل کر لیں۔ مزید بے لطفی کو راہ نہ دیں۔ ورنہ کشمیری عوام پاکستان کی مدد سے کشمیر کو بزور قوت آزاد کرا لیں گے۔ اس لئے کہ اب مسلمانوں کی یلغار کو اندرا برداشت نہ کر سکیں گی۔ اب پاکستان کو مشرقی پاکستان کے جانے کے بعد یکسوئی ہو گئی۔ ویسے بھی جتنی جنگیں ہندوستان و پاکستان کے درمیان ہوئی ہیں۔ برابر پاکستان کو فتح اور فوقیت حاصل رہی ہے۔ ابھی بنگلہ دیش میں تو جنگ ہوئی نہیں بلکہ پاکستان بین الاقوامی سازش کا شکار ہو گیا اس کے نتیجہ میں پاکستان کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔

یہی فرق کشمیر اور بنگلہ دیش میں ہے۔

بنگلہ دیش کا بچہ بچہ پچیس سال تک پاکستان سے علیحدگی کے خطوط پر رخ کئے جنگ کرتا رہا اور پاکستان کو ترقی، اسلامی شعار کو عام جاگر کرنے میں روڑے اٹکاتا رہا۔ ہندوؤں کا تسلط ہر ہر ذہن پر رہا۔ مصیبت یہ ہے کہ اکثریت ہے۔

حقیقت یہ کہ اسلامی ملک ہے۔ نظریاتی ملک ہے۔ عجیب مشکل میں پاکستان کی گاڑی آکر پھنس گئی۔ اکثریت کا لحاظ ضروری، نظریہ یہ کہ بغیر اس کے پاکستان کا قیام بے معنی۔ انسان کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ عوام ناخواندہ، ہندو نواز

مہندی نواز، علیحدگی کے لئے بے چین اور ہندوستان کی خوشنودی اور حصول پرستی کے لئے کوشاں۔ بنگلہ دیشی عوام نے واحد نمائندہ، رہنما ایک ایسے شخص کو منتخب کیا، جو افعی روزگار، انسانیت کا قاتل، اسلام کا دشمن، جاہل اور گنوار ہے۔ آج وہ جاتی پتا (قوم کا باپ) بنا بیٹھا ہے۔

ادھر کشمیر کا بچہ بچہ، جوان، بوڑھے اور عورتیں ہندوؤں کی غلامی سے نجات کی خاطر اپنے اپنے سروں کو ہتھیلی پر لئے لئے پھر رہے ہیں۔ صرف ہندوستان سے گلو خلاصی نہیں بلکہ پاکستان میں ضم ہونے کی، جذبہ ملی نہیں تو اور کیا ہے کوئی لالچ، کوئی خوف اور کوئی حرص و ہوس ان کے جذبہ اسلامی کو ماند نہیں کر سکا۔

کشمیری عوام نے اپنا رہنما بھی ایک ایسے مرد مجاہد، اسلام کے فدائی اور اسلامی شعار کے دلدادہ کا انتخاب کیا۔ اس کا نام سردار قیوم ہے۔ آج یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ وہ تمامتر دینی مسائل کے حل کی جانب عملاً دینی قدم کو اپنا کر صرف کشمیر اور کشمیری عوام کی نہیں بلکہ اسلام کی خدمت اور پاکستانی عوام کا ذہن بھی اسلامائزیشن کی جانب منعطف و مرکوز کرا رہے ہیں۔

سردار عبدالقیوم خان وہ فرزند توحید ہیں، جنہوں نے ۱۹۴۸ء کی جنگ آزادی کشمیر میں دشمنوں کی فوج سے دست بدست جنگ کی۔ آج وہی مجاہد اسلام فخر اسلام سے یاد کیا جانے والا ہے۔

وہ دن دور نہیں جب عنقریب۔

"یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے"

اس مملکت پاکستان کو اسلام سے دور یا اسلامی نظام سے محروم نہیں رکھا جا سکے گا۔ اس ملک کا اقتصادی تو اقتصادی، اسلامی نکتہ نگاہ سے بھی مستقبل روشن و تابناک ہے۔ ہر طاغوتی طاقتیں جو آڑے آئیں گی پاش پاش ہو جائینگی

اگرتلہ سازش کیس

اگرتلہ سازش کیس بنگلہ دیش کا مشہور و معروف کیس ہے۔ اگرتلہ (ہندوستان میں بنگلہ دیش سے لگا ہوا ایک جگہ ہے) مجیب اور اس کے حواریوں نے ہندوستانی گورنمنٹ کے نمائندوں سے گفت و شنید کی جگہ متعین کی تھی۔ تاکہ موقع مصلحت دیکھ کر بزور مشرقی پاکستان پر قبضہ کر لیا جائے۔

اس سازش میں، مجیب، ان کی پارٹی کے لوگ، کچھ، سی۔ ایس پی آفیسر اور ملٹری کے اشخاص بھی تھے۔ سازش کا کسی طرح سراغ لگ گیا اور ان میں بیشتر لوگ گرفتار کر لئے گئے۔ مقدمہ کی تیاریاں کی گئیں۔ چارج شیٹ تک تیار کرنا مشکل ہو گیا۔

عام لوگوں کا عدم تعاون ہی نہیں بلکہ عوام کی جانب سے اس مقدمہ کے خلاف احتجاج، جلسہ و جلوس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایسی پر خطر و ہولناک فضا تیار کی گئی جیسے مقدمہ من گھڑت ہو اور پاکستان کی حکومت اس طرح بنگالیوں کے جذبۂ آزادی اور تحریک آزادی کو اس طرح رنگ دے کر بزور دبانا چاہتی ہے کوئی بھی اس سازش کی مذمت کیا کرتا الٹے حکومت کو مورد الزام ٹھہرایا گیا۔

گواہوں نے گواہی دینے سے انکار کر دیا اور بنگالی وکلا دتے وکلات سے۔ تفتیش میں کئی بہاری افسروں کی معاونت حاصل کرنا پڑی۔ جب جاکر تفتیش مکمل ہو سکی اور مقدمہ چلایا جا سکا۔ گرفتاریاں وجود میں لائی گئیں۔ احتجاج زور پکڑتا گیا۔ مجیب بنگالیوں کا واحد یکا لیڈر بن کر ابھرا۔ حکومت پر ہر چہار جانب سے غم و غصہ کا اظہار اور مجیب کی ہر طرف توصیف سے فضا گونجتی رہی۔ ہر شعبۂ حیات حتیٰ کہ سیکرٹریٹ تک حکومت کے خلاف سازش کا اڈہ بن گیا تھا۔ اس لئے کہ ہر شعبہ میں صرف بنگالی ہی بنگالی تھے۔ کوئی احتیاط تو تھا نہیں ہر شعبہ حکومت کا غیر بنگالیوں سے پاک تھا۔ سازش کرتے وقت۔ احتیاط طوظ

رکھنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ اس سے عوام باخبر ہے کہ ایوب خان صاحب نے تبادلہ ہر دو بازوؤں کا پاکستان کے روک دیا تھا۔ بنگالی آفیسر کی بنگالی ہی میں پوسٹنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ غیر بنگالی آفیسروں، چپڑاسی تک کی بحالی بند کر دی گئی تھی۔ بس کھلی چھٹی ہی چھٹی تھی۔

کوئی محب وطن پارٹی اس مجیب کے حق میں جو احتجاج یعنی ملک سے سازش کے حق میں آواز بلند کئے جا رہے تھے اس احتجاج کے خلاف احتجاج کیا کرتے بلکہ حکومت کو مطعون اور سازش کرنے والوں کے حق میں بری کر دینے کیلئے احتجاج شروع کر دیا۔

یہ اگرتلہ سازش مقدمہ کی ہڈی حکومت کے حلق میں اٹک کر رہ گئی۔ بری کرے تو جائے مقدمہ جاری رکھے تو جائے۔ مقدمہ جاری رکھنا عذاب بن گیا۔ مقدمے سے منسلک لوگوں اور معاون مددگاروں کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ چنانچہ اس اگرتلہ سازش کیس کا ایک ہیرو سرجنٹ ظہور الحق ہے جس کے نام پر اقبال ہال کا نام تبدیل کر کے رکھ دیا گیا۔ اب اقبال ہال، سرجنٹ ظہور الحق ہال سے موسوم ہے۔

بہر کیف اگرتلہ سازش کیس سارے ملک میں خلفشار کا باعث بن گیا۔

ایوب خان کو مجبور کیا گیا کہ کیس واپس لے لیں اور سب کو معہ مجیب کے رہا کریں۔ ان کو وقت کی نزاکت اور ہوا کے رخ کو مد نظر رکھتے ہوئے کیس کو اٹھانا پڑا اور مجیب کو رہا کرنا پڑا۔ ایسی باتیں کرنا پڑی۔ فضا کا رخ مجیب کے حق میں رہا۔ وہ کامیاب و کامران بن کر افق سیاست پر ابھرا اور سارے مشرقی پاکستانیوں کے ذہنوں پر چھا گیا۔ علیحدگی کے لئے مکمل طور پر راستہ ہموار ہو گیا۔ اس کے طرز عمل، گفتار میں اور کردار میں زیادہ تیزی اور پختگی آگئی اب وہ کیوں کسی کی سننے لگا۔

یک نہ شد دو شد

پہلے سازش کے ذریعہ علیحدگی کی سوچ رہا تھا۔ اب قانونی اور آئینی جواز کے ساتھ علیحدگی کے لئے راہ کھلی شروع ہو گئی۔

"الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا"

۱۹۷۵ء کے الکیشن میں اس کی شاندار کامیابی اور وہ بھی چھ نکات کے حق میں اس نے عوام سے ووٹ طلب کئے اور لوگوں نے اُسے چھ نکات کے حق میں رائے دے کر شاندار کامیابی عطا کی۔

ادھر شیر کشمیر، جب قوم کی حدود خواہشوں سے درگذر کیا تو گیدڑ کشمیر بھی نہ رہے۔ ایک دور وہ تھا کہ سارا کشمیر شیخ عبداللہ کے قدموں پر تھا۔ شیخ صاحب کے قدموں کی خاک لوگ آنکھوں پر ملتے تھے

وہ دور تھا ہری سنگھ کے تشدد کا دور، جور و ظلم کا دور اور جبر و زیادتی کا دور تھا۔ شیخ صاحب ہری سنگھ سے برسرپیکار تھے۔

عارضی الحاق جب ہندوستان سے شیخ صاحب نے کیا، تو ہری سنگھ کو ریاست کشمیر سے نکال دیا۔ اس نے بمبئی پناہ لی۔ اس کے بیٹے "کرن سنگھ کو اس کی جگہ نقلی" صدر بنایا گیا

شیخ صاحب نے عوام کی خواہش کے بغیر نام نہاد عارضی الحاق کیا جیسا کہ شیخ صاحب فرماتے ہیں۔

بہرکیف عوام کی ناخوشی اور شیخ صاحب کی شہرت کو دھچکا لگا عوام کے دلوں سے شیخ صاحب کی قدر و منزلت جاتی رہی۔ عوام نفرین بھیجنے لگی۔

شیخ صاحب کے ساتھ ساتھ مولانا مسعودی صاحب بھی عوام سے جذبۂ اسلامی کے پیش نظر مطعون رہے۔

شیخ صاحب جب تک عوام جذبۂ اسلامی اور جذبۂ ملی کی ترجمانی کرتے رہے۔ قوم ان کے ہر حکم کے سامنے سرنگوں رہی۔ جب انہوں نے قوم کی خواہشات پر پنڈت نہرو کی دوستی کو ترجیح دی۔ قوم نے حقارت سے انہیں ٹھکرا دیا۔

مجھے یاد ہے کہ علی گڑھ میں جس طرح تمام کشمیری طلبا آیا جایا کرتے تھے شیخ صاحب کے ایک عزیز کے بھائی بھی میرے پاس آیا کرتے تھے ایک دن کچھ کشمیر طلباء نے احتجاجاً عرض کرنے لگے۔

بھئی بھائی!

اس لڑکے کو زیادہ لفٹ نہ دیا کریں۔ آپ کو معلوم نہیں وہ شیخ صاحب کے عزیز کا عزیز ہے۔ اس پر بھروسہ نہ کریں۔ وہ قابل اعتماد نہیں ہوسکتا۔ سانپ کا بچہ سانپ ہی ہوتا ہے۔

کشمیری عوام کے فکر کو ملاحظہ کریں اور ذرہ بنگلہ دیش کا انداز فکر۔

مرزا بیگ ایک دبنگ آدمی، انہوں نے ہی شیخ صاحب کو پنڈت نہرو کے چنگل ساحری سے بہت حد تک نکالا تھا اور پنڈت جی نے اس پرخلوص کا جنازہ ۱۹۵۳ء میں جیل بھیج کر کہا۔ آج کل پھر شیخ صاحب بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔

نہ معلوم اندرا کی فریب نظر کے کیسے شکار ہو گئے۔ اللہ رحم کرے۔

داستان الم

"قصہ درد سناتا ہوں کہ مجبور ہوں میں"

"تاریخ کی اوراق گردانی اگر کی جائے تو صدہا داستانیں غم و الم کی جور و ظلم، وحشت و بربریت، درندگی و سفاکی کی ملے گی۔ ایک قوم نے دوسرے قوم پر ظلم ایک طبقہ دوسرے طبقہ پر عذاب بن کر نازل ہوا۔ ایک فرقہ نے دوسرے فرقہ کو اپنی درندگی و بربریت کا شکار بنایا لیکن نوعیت مظالم و تشدد ستانے اور پریشان کرنے کے جدا جدا رہے۔

بنگلہ دیش میں مسلم بنگالیوں نے ہندوؤں سے مل کر جو لرزہ بر اندام مظالم اور خوں آشامیوں کا مظاہرہ کیا اس کی نوعیت بالکل جدا رہی۔ وہاں تاریخ میں جو مظالم دکھائی پڑتا ہے وہ کسی ایک خاص نوعیت کی، خاص مدت تک اور کچھ طبقہ و خطہ کے بسنے والوں کے یہاں بہاریوں پہ جو مظالم روا رکھے گئے وہ بالکل اچھوتا، بالکل نرالا، پورے غیر بنگالیوں کے لئے، اور غیر معینہ مدت کے لئے یہاں نوعیت مظالم، طرز مظالم اور عنوان سب کے سب اکٹھا کر دے ستانے، لوٹنے، مارنے، کاٹنے غرضیکہ کوئی طریقہ ایسا نہیں جو روا نہ رکھا گیا ہو اور جسے بنگالیوں نے اپنایا نہ ہو۔

ظالموں کو ترس نہ آیا۔ کوئی نرمی پیدا نہ ہوئی۔ مجتمع شدہ مظالم و تشدد سے بچ کر نکلنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ایک ڈائیو میں مفید بہاریوں پر ساری بنگالی قوم بھیڑیوں کی طرح ٹوٹ پڑی، چیرنے پھاڑنے پر لگ گئی۔ لوٹ و گھسوٹ پہ لگ گئی، اقسام مظالم طرح طرح کے گڑھے گئے۔" تاب نہیں کہ

قلم بند بھی کر سکوں۔

دنیا یقین نہیں کرے گی اور نہ یقین کرنے کی باتیں۔ اس لئے کہ تاریخ اس طرز مظالم اور نوعیت مظالم سے ناآشنا رہی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ان مظالم کا عشر عشیر کا بھی مظاہرہ کسی خطہ پر کیا گیا تو وہ زمین غرق آب کر دی گئی۔ اور جس قوم نے یہ مظالم ڈھائے وہ فنا کر دی گئی خداوند قدوس رحیم و کریم کے علاوہ قہار بھی تو ہے۔ اس کے یہاں انصاف ہوتا ہے دیر ہوتی ہے اندھیر نہیں ہوتا۔ یہ بہاریوں کا خون ناحق ایک نہ ایک دن رنگ لاکر رہے گا۔

وقت کا انتظار ہے جعفر و صادق جیسے غداروں کا حشر دنیا دیکھ چکی ہے مجیب جیسے ننگ آدم، ننگ دین اور ننگ وطن کا بھی حشر دیکھے گی۔

قوم پر بھٹو صاحب کا کرم و احسان ہے کہ انہوں نے مجیب کے ہاتھ ملک کی باگ ڈور دینے کی مخالفت کی ورنہ مجیب تو مغربی پاکستان کو بھی ڈبو دیتا۔ ہندوؤں کا غلام بنا دیتا۔ مجیب کے منصوبے، اس کی ضد، اس کی ہٹ اور اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ مشرقی پاکستان کو ہی صرف علیحدہ کرنا نہیں بلکہ پورے پاکستان کا ستیاناس کرنا چاہتا ہے۔ اس بیدار مغزی اور مردم شناسی سے بھٹو صاحب کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ بنگالی بہاریوں پر کیوں برسا۔ بہاریوں سے کیا قصور سرزد ہوا تھا۔

قصور تھا اور وہ یہ تھا بہاری پاکستان زندہ باد و پائندہ دیکھنا چاہتا تھا بہاری پاکستان کو پھلتا پھولتا اور مرکز کو مضبوط دیکھنا چاہتا تھا۔ بہاری اسلام کی عظمت کو چار چاند لگانا چاہتا تھا اس لئے کہ مضبوط پاکستان اور اسلامی اسپرٹ ہی ہندوستان کے دسترس سے بچایا اور برصغیر میں مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عظمت کو لوٹایا جا سکے گا۔

بہاری اردو جو تحریک پاکستان کی زبان اور قائد اعظم کی دلی تمنا کو پاکستان میں جاری و ساری دیکھنا چاہتا تھا۔ بہاری پاکستان کے جھنڈے کو سر بلند رکھنے کی خاطر تن من اور دھن کی بازی لگانے کو تیار ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو بہاریوں کی بستیوں اور آبادیوں میں گھر گھر جھنڈہ کے کہیں بھی مشرقی پاکستان میں پاکستان کا جھنڈا نظر نہ آتا تھا۔ تمام تر خطرہ کو مول لے کر بہاریوں نے والہانہ انداز میں اسلام و پاکستان کے جھنڈے کا سر بلند رکھا۔ پاکستانی فوج کو کھانا، دانہ اور دیگر ضروریات مہیا کرنے میں مدد کی تھی۔

یہ صورت حال بنگالیوں کو راس نہ آئی۔ اس لئے کہ بنگالی تحریک پاکستان کی زبان اردو و ذرقائد کی اردو کو قومی زبان کا درجہ دینے کی خواہش کو ٹھکرا چکا تھا بنگالی اسلام و پاکستان سے ناطہ توڑنے پر تل چکا تھا۔

بنگالی ہندوؤں کی غلامی کو دل سے قبول کر چکا تھا۔ بنگالی گلی گلی۔ کوچہ کوچہ امار دیش تومار دیش، بنگلہ دیش، بنگلہ کا نعرہ لگا رہا تھا۔ سوادھن کرو سوادھن کرو کے مطالبے ہر چہار جانب سے بلند ہو رہے تھے۔ بھلا ایسی شکل میں بہاریوں کے گھروں پر پاکستان کا جھنڈا کیوں کر دیکھ سکتے تھے۔

مورخہ ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کو جب پاکستان کی فوج نے ایکشن لیا۔ اس وقت بہاریوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی تھی۔ بہاری بستیوں اور آبادیوں میں قتل عام جاری تھا۔ سارے ملک بنگلہ دیش میں یہ ساڑھے سات کروڑ کی آبادی، بہاری بچوں، بوڑھوں، جوانوں اور عورتوں کے خون سے اپنی پیاس بجھا رہی تھی، عورتوں کی عصمتیں لوٹی جا رہی تھیں۔ کہیں کہیں تو ان کے عضو خاص میں بنگلہ دیش کا جھنڈا گھسیڑا گیا۔ مرچیں بھری گئیں اور شیشے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈالے گئے ماؤں کے سامنے بچوں کو ذبح کر کے اس کا خون پینے کے لئے پیش کیا گیا۔ ہزاروں کو باندھ کر ستیا لکھیا، پدما اور جمنا کی لہروں کے زندہ سپرد کر دیا۔ ہر تھوڑی تھوڑی دور پر مذبح خانے کھولے گئے۔ گردن اڑانے کی نئی نئی مشینیں ایجاد

کی گئیں۔

کھلنا میں خاص طور پر چٹگاؤں میں سرنج سے خون نکال کر زندہ پھڑپھڑا دیا گیا
دیناج پور میں کالونیوں، جو ہارا سوہارا، ساری آبادی کو پکڑ کر کنچنی ندی کے کنارے
لے جاکر بیدردی سے مارا گیا۔ سنتاہار کی آبادی، میمن سنگھ کی آبادی، نلفاماڑی
کی آبادی، ٹیکسی کی آبادی، چھین چھین پور کی آبادی کی آبادی ادی گئی۔ اس کے
علاوہ ڈھاکہ، چٹگاؤں، کھلنا، جیسور، برہمن بڑیا، کشتیا، پٹنہ، بوگرہ اور دیگر
چھوٹی چھوٹی جگہوں میں جتھا کے ساتھ جاکر قتل عام کیا اور چن چن کر جو جہاں ملا
قتل کرتے گئے۔

لوگوں سے قبر کھدوائے گئے اور اسی کو پھینک کر مٹی ڈالدیا گیا۔ یعنی زندہ
گاڑ دیا گیا۔ ڈھاکہ میں تو مجیب کے بھانجہ فضل الحق (پیرمونی) اور کمال (لڑکانے) بنگالی غنڈوں
کو لے جاکر بہاری لڑکیوں کو لاکر باضابطہ فحاشی کا اڈہ قائم کر دیا تھا۔ شوہر کے
سامنے بیوی اور باپ کے سامنے بیٹی کی عزت لوٹی گئی۔ خاندان کا خاندان اور
آبادی کی آبادی فنا کر دی گئی۔

پاکستان کی فوج جب حرکت میں آئی تو بچی کھچی آبادیوں کو سہارا ملا، پناہ ملی اور
یہ قاتل بنگالی، نرانی بنگالی اور لیبڑے بنگالی ہندوستان بھاگتے نظر آئے۔
وہاں ہندوستانی حکومت نے کیمپوں میں رکھا۔ جوانوں کو ہندوستان کے
متفرق مقامات پر فوجی تربیت دی۔ کیمپوں میں ہندو بنگالیوں نے مسلم بنگالیوں کی
ماؤں بہنوں، بیٹیوں کی عزت لوٹی۔ جب عام معافی پر یہ آبادی واپس مشرقی پاکستان
آئیں تو لاکھوں کی تعداد میں حاملہ تھیں۔ جسے مجیب صاحب فوج کے جوانوں سے
اسے منسوب کرتے ہیں ان کے یہاں عورتوں کی عصمت کا تصور عام طور پر بہت
کم ہے۔ یہ فن میں داخل ہے۔

مجیب صاحب مورخہ ۱۰ رجنوری ۱۹۷۲ء کو ڈھاکہ واپس گئے۔ مورخہ
فروری ۱۹۷۲ء کو شہید منار شہیدوں کا رنگہ دیش اسوگ منانے کے لئے

کثیر تعداد میں لڑکے، لڑکیاں بھی جمع ہوئیں۔ بجلی بند کر دی گئی۔ لڑکے سینکڑوں کی تعداد میں اپنی پسند کی لڑکیوں کو لے کر چلتے بنے۔ اخباروں میں آیا لیکن مجیب صاحب خاموش رہے۔

مجیب صاحب کا الزام فوج پر یہ بھی ہے کہ نسل کشی کی۔ نسل کشی تو درکنار یہ تو کوئی عوامی لیگ کے لیڈر تو لیڈر، کارکن کم مارے گئے۔ اگر فوج مارنا چاہتی تو لیڈر کیا ایک کارکن بھی نہ بچتا۔

ہاں فوج نے کچھ لوگوں کو مارا جس نے نظم و ضبط کو تہس نہس کرنے کی کوشش کی یا پھر فوج کے کاموں میں رخنہ ڈالنے کی کوشش کی یا حائل ہوئے۔ فوج کی آمد و رفت میں ہر طرح کی رکاوٹ اور رخنہ ڈالتے رہے۔ سامان کے لانے اور ادھر اُدھر لے جانے اور لانے میں دشواریاں پیدا کر دیا کرتے۔ خوراک کے مہیا کرنے میں بُری طرح پیش آتے۔

ہر جگہ تخریب کاری میں مشغول بنگالی کوئی حد و حساب نہیں رکھتے۔ ہر جگہ آفسوں، کارخانوں، اسکولوں میں بائیکاٹ کئے بیٹھے تھے۔ غرضیکہ حکومت کا ناک میں دم کر دیا تھا۔

بہاری ہر ممکن طریقہ پر مدد و معاونت کرنے پر ہمہ وقت مستعد رہتا۔ ودش بدوش رہ کر فوج کی اعانت میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ فوج نے بھی اسلامی جذبہ سے بھرپور ملک کی بقا کی خاطر، گھر سے کوسوں دور، ہر چہار جانب سے دشمنوں کے نرغے میں بھی رہ کر، بے جگر، سر بکف و کفن بر دوش میدان کارزار میں صف آراء تھے۔

اُدھر بہاری فوج کی ہر ممکن مدد یہ خیال کرتے ہوئے کہ آخر یہیں رہنا ہے بے سہارے رہنا۔ انہی دشمنوں کے ساتھ رہنا ہے۔ کر رہے تھے اس کو جذبۂ اسلامی کہتے ہیں۔ اس کا نام حب الوطنی ہے۔ ہر چیز داؤ پر لگا دیا۔ سب کچھ تج دیا۔ کس لئے، اس لئے تو اسلام کا بول بالا ہو، پاکستان کا جھنڈا سر بلند رہے

ہندوؤں کے ہاتھوں ہزیمت و خفت اٹھانی نہ پڑے۔

مجھ سے اکثر سطح کے پڑھے لکھے بنگالی کہتے تھے کہ

بہاریوں کو آپ سمجھاتے کیوں نہیں، انہیں روتے کیوں نہیں۔

انہیں تو آخر یہیں رہنا ہے۔ بنگالیوں کے درمیان رہنا۔ ان کا کیا بنے گا

"پنجابی فوج کب تک رہے گی۔ کب تک یہ ان کی اور وہ ان مدد کرتے رہیں گے۔"

میں نے عرض کیا۔

مسلمان انجام کا خیال کئے بغیر لڑتا ہے وہ اسلام کے لئے، پاکستان کے لئے۔ تمہیں ہندوؤں کے تسلط سے باز رکھنے کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔

"یہ پنجابیوں کا نہیں پاکستانی فوج کا اپنی فوج کا پاکستان کی محافظ فوج کا اور اسلام کے فدائی فوج کا ساتھ دے رہے ہیں۔"

بنگالی درخت کے جس تنے پر بیٹھا تھا اسی کو کاٹنے میں مصروف تھا۔ جس کشتی میں بیٹھا تھا اس میں چھید کر رہا تھا۔ غرضیکہ دشمن کو دوست اور دوست کو دشمن سمجھ بیٹھے تھا۔

نام نہاد اسلام و پاکستان پسند زعماء امن کمیٹیاں بنا رہے تھے۔ جس میں بنگالیوں کو آسانیاں و سہولتیں بہم پہنچانے کا خیال زیادہ تھا، ملک کی بقا کی خاطر فوج کی مدد کا خیال دکھاوے کا تھا۔

بہاریوں کو حتی الوسع اس سے دور رکھا گیا۔ چنانچہ امن کمیٹی والوں نے کتنے عوامی لیگی غنڈے، لیڈر اور قاتلوں کی محافظت میں رکھا۔ انہیں ہندوستان بھجوانے کا بندوبست کیا۔ پشت پناہی کی، انہیں سفارش کرا کر چھڑاتے رہے اور بہاریوں کے خلاف طرح طرح کی جھوٹی افواہیں پھیلاتے اور فوج کو بہاریوں کی جانب سے بدگمان کرتے رہتے تھے یہ اور بات ہے کہ وہ بدگمان ہونے کو تیار نہیں تھے۔

انہیں دوست و دشمن کا پورا علم تھا۔

لیکن بنگالی حقیقت سے چشم پوشی کر رہا تھا، حق کو حق کہنے سے گریز کر رہا تھا۔ بنگالی یہ سب کچھ کر کے خود بیوقوف بن رہا تھا یا بیوقوف بنا رہا تھا یہ بعد میں عیاں ہو گیا۔ بیوقوفی میں اپنی ناک کاٹ لی۔ سارا مشرقی پاکستان کا بنگالی جس قدر مغربی پاکستان اور غیر بنگالیوں سے کھچ رہا تھا اسی قدر تیزی سے ہندوؤں کے بچھائے ہوئے، جال میں پھنس رہا تھا۔

سارا بنگال بلا کسی تفریق اٹھ کھڑا ہو گیا تھا۔ وکلا، جج، انجینئر، پروفیسر اسکول کے اساتذہ، طلباء مزدور آفیسر غرضیکہ کوئی شعبہ حیات کا کوئی طبقہ ایسا نہیں تھا، جو نام نہاد آزادی جو در اصل ہندوستان اور ہندوؤں کی غلامی سے قریب تر ہو گیا۔ چنانچہ چند ہندو وکلاء کو کہتے سنا کہ

ہم ہاریں یا جیتیں لیکن ایک مسلم قومیت کے خواب کو پریشان کر دینے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

۱۹۶۹ء میں تو بار ایسوسی ایشن نے باضابطہ تجویز پاس کر دی کہ تمام غیر بنگالی وکلاء، کلرک اور دیگر عملہ کو بزور کورٹ سے نکال دیا جائے، لیکن عزیز الحق اور چند سنیئر وکلا کے بیچ بچاؤ سے یہ تجویز واپس لے لی گئی۔

مارچ ۱۹۷۱ء میں ہائی کورٹ ار جائے انصاف، میں کتنے غیر بنگالی اسٹاف کو بیدردی سے ذبح کیا جا چکا تھا۔ رامجر باغ کے پولیس اسٹیشن میں سے کس طرح ایک غیر بنگالی سپاہی بچ کر نکلنے میں ہو گیا ورنہ سبھی کو قطار میں کھڑا کر کے گولی ماردی گئی تھی۔

غرضیکہ چیف جسٹس بی اے صدیقی سے لے کر چپراسی تک، وائس چانسلر سے لے کر اسناد تک سبھی بہاریوں کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔

میمن سنگھ میں ایک مکتی باہنی ٹائگر صدیقی کو ٹائگر کا لقب ہی اس لئے دیا گیا کہ میمن سنگھ میں اور نواحی بستیوں سے اس نے چن چن کر بہاریوں کی کالونیوں میں تمام جوانوں، بوڑھوں اور مردوں کو قتل کیا تھا۔ سارے ملک کے بہاریوں

مار مار کر ان کے ان کے اثاثے اور جائیدادوں پر قبضہ کر لیا۔ لاتعداد لڑکیوں اور چھوٹے بچوں کو اغوا کر لیا جن کا آج تک پتہ نہیں۔

خوندکر مشتاق کے اندازے کے مطابق پچاس لاکھ غیر بنگالی ممکن تھے مجیب کے بیان کے مطابق بیس لاکھ غیر بنگالی تھے۔

بیس لاکھ یا اس سے کچھ کم ہی رکھ لیں آخر یہ غیر بنگالی کہاں گئے۔ خاندان کے خاندان جنہیں کچھ زمین دے کر شمالی حصہ میں مشرقی پاکستان کے گاؤں میں بسائے گئے تھے وہ سب کہاں گئے۔ خاندانوں کے خاندانوں کا صفایا کر دیا گیا۔ کوئی رونے والا نہیں رہا۔ ان کی جائیدادوں کا کیا ہوا۔ وہ لوگ تو پاکستانی تھے۔ بنگلہ دیشی نہیں تھے۔

بوگرہ میں ساری آبادی کو پکڑ کر جیل میں بند کر دیا گیا کہ ایک ہی بار سب کو مار دیا جائے گا۔ کچھ غیر بنگالیوں پر حملے کئے بھی لیکن بنگالیوں کے دو گروہوں میں شدید پھوٹ پڑ گئی وہ بھی مال غنیمت کے بٹوارے پر، اسی اثناء میں پاکستانی فوج پہنچ گئی۔

پاکستانی فوج اگر دیوانہ وار عام جائے وقوع پر جونہی پہنچی۔ غیر بنگالیوں کی جان بخشی ہوتی گئی۔ ورنہ کم از کم شمالی بنگال اور چٹاگانگ میں کوئی غیر بنگالی نہ بچتا چٹاگانگ میں تو اصفہان مل کالونی، کالو گھاٹ اور دیگر تہا جر بستیوں میں مارکاٹ کا سلسلہ پورے زور شور سے جاری رہا۔

اس کار خیر میں دہلی کی یونیورسٹی کا وائس چانسلر ایم۔ آر۔ صدیقی اور ابوالقاسم (تاجر چٹاگانگ)، کے بیٹے اور داماد پیش پیش رہے اسی طرح مجیب صاحب عوامی لیگی اور عام طور پر بنگالیوں کی دیرینہ خواہش مشرقی پاکستان کی سرزمین سے غیر بنگالیوں کا صفایا کرنے کی پوری ہو رہی تھی۔ ایک کثیر تعداد غیر بنگالیوں کے افسران کو تہ تیغ کیا گیا۔ جن میں اکثریت ریلوے افسروں کی ہے۔ جیسور کی غیر بنگالی آبادی کو گھیرے میں لے کر پوری طرح گولیوں کی بوچھاڑ

کی لاتعداد لوگوں کو مارا۔ کھلنا، خالص پور کی کیفیت ناگفتہ بہ کر دی لیکن وہاں کا غیر بنگالی مرتا کیا نہ کرتا پامردی کے کئی دنوں تک بغیر کھائے پیئے مردانہ وار مقابلے کرتے رہے۔ سرحدوں پر بسنے والے غیر بنگالی سرحد پار کرکے ہندوستان بھاگنے میں کامیاب ہوگئے اور بہت سے مارے گئے۔

"دشمن کے بھی دشمن پر ایسا نہ ہوا ہوگا"

ڈھاکہ میں پرانے ڈھاکہ کی گلیاں خون سے رنگین ہو چکی تھی، جائے پناہ نہ مل رہی تھیں، شاہجہان پور، امین بازار، فقیراپل، نواب گنج اور ہزاری باغ روڈ کی کچھ نہ کہیئے کہ کچھ نہ بچی۔ بچی کچھی آبادی آگ کے الاؤ پر بیٹھی اپنے قتل کا شدت سے انتظار کر رہی تھی۔ یہ ظالم ہسپتال کے غیر بنگالی مریضوں کو ہر جگہ ذبح کرنے سے باز نہ آئے۔

پاکستانی فوج جہاں جہاں پہنچی جیسے نوید زندگی لے کر۔ فساد زدہ علاقہ میں ملیں پہنچی۔ سہارا دیا۔ کھانے دانے کا اور پناہ کا بندوبست تیزی سے کرتی رہی۔

پاکستانی فوج نے صرف بہاریوں کو بچانے اور دور دراز علاقے سے نکالنے ہی کا کام نہیں کیا بلکہ امن و امان قائم کرتی جاتی تھی۔ ان لوگوں نے جذبہ اسلامی سے سرشار، وہاں کے کھیتوں میں، ندیوں میں، ٹیلوں پر، جنگلوں میں، خشکیوں میں اور ڈابوں میں بھوکے اور سوکھی روٹیاں کھا کر ملک کی حفاظت کرتے رہے تخریب کاروں سے نمٹتے رہے۔

تخریب کار ریلوں کو اڑا رہے تھے، بموں کے دھماکے کر رہے تھے۔ پھر بھی ہر چہار جانب سے غیر بنگالیوں کو اکٹھا کیا جا رہا تھا اور ذبح کیا جا رہا تھا ہر چہار جانب سے مشرقی پاکستان میں نہ جانے کتنے مکان نذر آتش کر دیئے گئے اس طرح بہاری چہار جانب سے گھرے تھے۔ جیسے

"نرغے میں کافروں کے اکیلا حسینؑ تھا"

بس زمین کانپ رہی تھی اور آسمان لرز رہا تھا۔ اللہ کی بساط (دنیا) اس
طرز مظالم اور نوعیت مظالم اور نوعیت مظالم سے اب تک ناآشنا رہی تھی
"آشیاں جل رہا تھا اور میں دیکھ رہا تھا"

میں خداوند پاک سے پناہ کی بھیک مانگتا اور سوچتا جا رہا تھا کہ اسے اللہ
اسی پاکستان کے لئے مثالی قربانیاں اسی لئے دی گئی تھیں۔
کیا میں نے لڑکپن کی ہنسی خوشی کے بعد جوانی کی امنگوں کی قربانیاں اسی لئے
دی تھیں۔ کیا اسی دن کے لئے تعلیمی سالوں کی قربانیاں دی تھیں۔ باپ کی دولت
کو پھونکا تھا۔ کیا اسی پاکستان کی خاطر دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھ کر
بھوکے پیاسے رہ کر تندرستی کو داؤ پر لگا کر قیام پاکستان کے لئے انگریزوں
اور ہندوؤں سے جنگیں لڑی تھیں۔
کیا اسی دن کو دکھانے کے لئے مجھے زندہ رکھا تھا۔ خدارا مجھے موت
دے دے مگر مزید یہ دن نہ دکھا۔ آسمان پھٹ پڑے یا زمین دھنس پڑے
تو مجھے نجات مل جائے۔

"در سینہ ہمہ داغ و داغ شد پنبہ کجا کجا روم"

ہندوستان نے موقع نکال مناسب وقت پہ مشرقی پر یک بیک ہوائی
حملہ پچھلی رات میں پورے زور و شور سے کیا۔
پاکستانی فوج انتہائی کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتی رہی کہ یک بیک ہمارا
ہوائی جہاز ہوائی سطح سے غائب ہو گیا۔ دل جھپن سے رہ گیا۔ پیر کے نیچے سے زمین
نکل گئی۔ پیدل فوج پامردی اور بے جگری سے لڑتی رہی اور شروع ہی سے
سرحدوں کی حفاظت تک ہی اپنی جنگ پہ اکتفا کرتی رہیں نہ جانے کس مصلحت
کے پیش نظر۔
بعد میں پتہ چلا کہ میرا ملک بین الاقوامی سازش کا شکار ہو چکا ہے۔ اگر
یہی تھا تو ناحق بنگالیوں کا خون کرانا روا رکھا گیا۔ ہندوستان کے ہاتھوں

شکست کی ہزیمت کیوں اٹھوائی گئی۔

ہندوستان نے قیام پاکستان کے وقت سے لے کر جس طرح توسیع پسندی اور ننگی جارحیت کو اپنایا اور کشمیر، حیدر آباد، جوناگڑھ، منگرول، گوا پر قبضہ کیا۔ ۱۹۶۵ء میں بین الاقوامی سرحد پر حملہ کیا بعدہٗ مشرقی پاکستان پر قبضہ کیا اب ہندوستان ننگا بین الاقوامی برادری کے سامنے کھڑا ہے اور تمام تر جواز پیدا کر دیا کہ اگر کوئی ملک کسی خود مختار ملک کو اپنی جارحیت کا شکار کرے تو جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہندوستان کو ایک نہ ایک دن اس کی بھاری قیمت چکانی ہو گی اور اس وقت ہندوستان کے پاس کوئی جواز نہیں ہو گا کہ اسے وہ غلط کہے۔ یہ ہندوستان کے مفاد میں نہیں ہو گا۔

آج ہندوستان کے آس پاس کے چھوٹے ممالک جائز طور پر ہندوستان کی توسیع پسندی سے گھبرائے ہوئے ہیں، یہ خطرہ ان کا حق بجانب ہے۔ ہندوستان کی عیاریوں اور مکاریوں، فریب اور چالبازیوں سے دنیا بخوبی واقف ہو چکی ہے

" آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا "

کس دن، آگ بھڑکتی ہے اور برصغیر اس کی لپیٹ میں آتا ہے۔

ہندوستان کے ایماء اور اشارہ پہ غیر بنگالیوں کا قتل عام ہوا۔ ہندوستان کی سرپرستی نہ ہوتی تو یہ روح فرسا منظر ظہور پذیر نہ ہوتا۔ یہ خونی ڈرامہ دکھائی نہ پڑتا۔ غیر بنگالیوں پر مشرقی پاکستان کی سرزمین تنگ نہ کی جاتی اور جب اندرا سے لوگوں نے شکایت کی تو جواب دیا کہ دو فرشتے جنت میں لڑ رہے ہیں یہ نہیں کہا کہ اس جنت میں آگ کس نے لگائی۔

جنت کو دوزخ میں کس نے تبدیل کیا۔ اس ڈرامہ سے یاد رکھیں دو قومی نظریہ جو اسلام کی اساس ہے فرق نہیں آئے گا۔ جتنی خلیج بنائی جائے، خلا کو وسیع سے وسیع تر کیا جائے۔

بنگالی مسلمانوں کا دو قومی نظریہ سے انحرافیت قرآن و حدیث کے فیصلہ کو نہیں بدل سکتے۔ یہ اساس دین ہے۔ یہ جزو ایمان مسلمانوں کا ہے یہ قیامت تک رہے گا۔

اسلام بین الاقوامی مذہب، اور بین الاقوامی مسلم برادری سے منسلک ہے یہ دین جغرافیائی حدود کے تابع نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی دنیا جاگ چکا ہے میری عارضی شکست دائمی طور پر فتح میں تبدیل بھی ہو سکتی ہے اقتصادی غلامی عموماً سیاسی اور انتظامی غلامی لاحق ہے کوئی ملک کسی ملک کو اقتصادی امداد دے کر اس ملک کی سیاسی آزادی پہ ڈاکہ ڈالتا ہے۔ زنجیر میں جکڑتا ہے۔ اس ملک کی پالیسیوں کو اپنی خواہش کے مطابق موڑتا ہے اور چلاتا ہے۔

آج کل کی بڑھتی دنیا میں کوئی ملک کسی دوسرے پر قبضہ نہیں کرتا اپنے تسلط میں نہیں رکھتا۔ بلکہ اقتصادی مدد دے کر دلمں اُس ملک کی معاشیات اور سیاسیات کو اپنی مرضی کے مطابق چلاتا ہے۔ ہر بڑی طاقتیں سوائے چین کے یہی کر رہا ہے۔

چین مدد امدد کے طور پہ کرتا ہے انسانیت نوازی کے ناطے سے مدد کرتا ہے۔ دوستی بھی کھل کر اور دشمنی بھی کھل کر۔ کسی ملک کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتا۔

ہندوستان بازی لے گیا اقتصادی و معاشی فوائد بنگلہ دیش سے حاصل کرتا ہے۔ لوٹتا بھی ہے۔ اپنی اقتصادی کمزوری کو قدرے دور بھی کرتا ہے۔ سیاسیات کو کنٹرول بھی کرتا ہے۔ ذمہ داریاں کچھ نہیں۔

"ہرے نہ پھٹکری رنگ چوکھا"

یہ عجوبہ بھیتوری بنیا: ذہن کی پیداوار ہے۔ دنیا دیکھے گی کہ ہندوستان نے آزادی دلانے میں بنگالیوں کی مدد کی ہے یا اقتصادی اور سیاسی طور پر غلامی پر رضامند کرنے میں مدد کی ہے۔ ایک طرح سے ہندوستان نے پاکستان

کی مدد کی ہے۔

ہندوستان نے بد بخت، افسر اور پرواز، ظالم اور بزدل بنگالیوں سے نجات دلائی اور یہ بلا اپنے سر لے لی ہے۔ یہ بنگالی ساڑھے تین لاکھ مربع میل پر حکومت کرتے رہے تھے۔ اب پچاسی ہزار مربع میل رقبہ پر بھی صحیح معنوں میں قابض نہ رہے۔ یہ مشرقی پاکستان تھا جس کی مسلسل مخالفت کے پیش نظر، نظریاتی طور پر پاکستان آگے نہ بڑھ سکا۔ سیاسی استحکام نہ آسکا۔ دفاعی طور پر اپنے کو مستحکم نہ کر سکا جتنا مستحکم ہونا چاہیئے تھا۔ اقتصادی طور پر بہت زیادہ آگے نہ بڑھ سکا بنگالیوں کو کھلانے، پلانے اور ناز برداری برداشت کرنے کا ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔

یہ ناکارے بنگالی ملک و قوم، اسلام و تعلیم کے سلسلہ میں ایک لعنت بنے رہے۔ اس لعنت کی گلو خلاصی کے بعد ہی اسلامی دستور پاس ہو سکا۔ ملک کا مذہب، مذہب اسلام قرار دیا جا سکا۔ اردو واحد قومی زبان بن سکی عربی کی تعلیم عام ہو رہی ہے۔ نظریہ پاکستان کو فروغ ہو رہا ہے اقتصادی اور معاشی طور پر ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ بنک انشورنس کمپنیاں، اسکول، کالج اور بڑے بڑے کارخانہ جات کو قومی ملکیت میں لیا جا سکا۔ میٹرک تک تعلیم مفت کی جا سکی۔ اور دیگر بنیادی اصلاحات کو بروئے کار لایا جا سکے۔ دفاعی لحاظ سے مضبوط تر ہو رہا ہے۔ زرمبادلہ میں تشفی طور پر اضافہ ہو رہا ہے۔ دیگر انتظامی اصلاحات زیر اصلاح ہیں۔ لے دے کر زمینوں کا معاملہ رہ گیا ہے۔ وہ دن دور نہیں جب کہ بڑی زمینداریوں کو بھی قومیا لیا جائے گا۔

ملک تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے۔ برصغیر میں خوشحال تر ملک رہے گا۔ ملک کے قدرتی وسائل کو جس طرح کام میں لانے کا سلسلہ جاری ہے اگر تھوڑا بھی تیز کر دیا گیا تو پھر قوم کی اقتصادی بد حالی جو بہت حد تک کم ہو گئی ہے بہت حد تک اور کم ہو جائے گی۔

سقوط ڈھاکہ کے چند دنوں قبل کا منظر عجیب روح فرسا منظر تھا۔ ہر چہار جانب سے ڈھاکہ کی فضا خوفناک آوازوں سے دہل رہا تھا۔ خطرہ کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ ہم بہاری خاص کر جان و مال، عصمت و عفت کی خیر منا رہے تھے۔ تباہی و بربادی اور قتل و غارت گری کا پیغام تیزی سے کانوں کو سنائی پڑ رہی تھی۔ رات گئے تک ہیلی کوپٹر کی مسلسل آوازیں آتی رہتی تھیں۔ ہندوستانی فوج اتاری جارہی تھی۔ جی ڈر رہا تھا۔ اللہ فضل کرے۔ موت کی گھڑی قریب آ رہی ہے۔

خداوند پاک سے بہاری اپنے گناہوں کی معافی اور رحم کی بھیک گڑگڑا کر مانگ رہے تھے۔ نکلنے اور فرار ہونے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ ایک ایک لمحہ گراں تھا دن کٹتا تو تفکرات کی اور رات کٹتی تھی تو دن کی فکر ہوتی تھی۔ کھانا اور پانی پینے کا مشکل سے دستیاب ہو رہا تھا۔ قیامت کا منظر تھا۔

یہ عجیب و غریب بات ہوئی کہ سرحدوں پر سقوط ڈھاکہ کے بعد بھی کئی دنوں تک پاکستانی فوجی جنگیں کرتے رہے۔ ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا۔ کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ ڈھاکہ پر اس طرح دشمنوں کا قبضہ ہو جائے گا جب کہ سرحدوں پر دشمن کی پائمالی ہو رہی ہو لیکن جونہی سرحد کی فوجوں تک سقوط ڈھاکہ کی خبر حقیقت بن کر سامنے آئی تو وہ لوگ ششدر رہ گئے۔ بہت ساروں نے ہتھیار ڈالنے پر موت کو ترجیح دی اور خودکشی کر لی۔

بہرکیف مورخہ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو پاکستانی فوج نے باضابطہ طور پر جب جنرل جگجیت سنگھ اروڑا ایسٹرن کمانڈر کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

اس شکل میں ڈھاکہ ہاتھ سے جاتا رہا اور سرحدوں پر کامیاب جنگ ہوتی رہی یہ عام معافی کا نتیجہ تھا یہ عام معافی لیڈروں، ڈاکوؤں، قاتلوں اور زانیوں کو دینے سے ان کی از حد ہمت افزائی ہوئی۔ انہوں نے سمجھا کہ حکومت مفلوج ہو چکی ہے۔ ہندوستانی فوج بھی ان قاتلوں اور لیڈروں کے ساتھ ساتھ ڈھاکہ شہر کے

اطراف وجوانب کے گاؤں میں پھیل گئی اور ڈھاکہ کو بالکل گھیرے میں لے لیا جنرل ٹکا خان کے تبادلہ سے بھی بنگالیوں نے یہی تاثر لیا اور یہی تاثر لازمی طور پر ہونا چاہیئے تھا۔

یہ ڈاکٹر مالک کے اصرار پر جنرل یحییٰ خان صاحب نے کیا یہ فیصلہ اور مشورہ دونوں کا نا عاقبت اندیشانہ تھا۔ اس فیصلہ کے پیچھے کیا چیزیں اور کونسی سازشیں در پردہ تھیں اس کا علم عام لوگوں کو کیا ہو سکتا ہے۔

جنرل نیازی کا احسان بہاریوں پر رہے گا کہ اس پر درد لمحہ میں بھی جنرل نیازی صاحب کے ذہن میں بہاری محفوظ تھے انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ہتھیار ڈالنے کے بعد ان بہاریوں پر کیا گذرے گی اور ان کا مستقبل کتنا بھیانک ہولناک اور پر درد ہوگا۔ اسی خطرہ کے پیش نظر انہوں نے دستاویز سقوط ڈھاکہ میں ان بہاریوں کی حفاظت جان ومال کی شق کو درج کروا دیا۔ اس شق کے اندراج کے بعد ہندوستان کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ بہاریوں کے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کرتا لیکن "چور نے دھرم کی کہانی"۔

اگر ہندوستان کا اشارہ بھی ہو جاتا تو بہاریوں پر یہ ظلم وستم نہ ہوتا۔ سفاکیوں تشدد اور لوٹ کھسوٹ کی وارداتیں۔ گھروں سے بہاریوں کو نہ نکالا جاتا ان کی جائیدادوں کو متروکہ قرار دے کر قبضہ نہ کیا جاتا۔ زدوکوب اور اغوا کے واقعات رونما نہ ہوتے۔

بہرکیف بنگلہ دیش پر ہندوستان کا تسلط تھا۔ مکتی باہنی انہی کے بنائے ہوئے راستہ پر چل رہے تھے۔ ہندوستان کی حکومت روک سکتی تھی۔ بلکہ بہاریوں کو تہ تیغ کرنے اور فنا کرنے کی ترغیب دی اور مسلسل سرپرستی کرتی رہی۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد خانہ تلاشیوں کا سیلاب چلا۔ دہشت گردی چلی۔ بنگلہ دیش کی پولیس کے ساتھ ہندوستانی فوج کے عملہ کا کوئی نہ کوئی فرد ضرور ہوتا تھا ایک ایک گھر کی بار بار تلاشیاں لی جاتی تھیں۔ ہاں ہندوستان کی فوج کے عملہ نے دور دراز

حصہ ڈھاکہ میں پھنسے ہوئے بہاریوں کو نکال کر میرپور لایا بھی تھا۔ ہندوستان بہاریوں کا قتل بنگالی مسلمانوں سے کرانا چاہتا تھا۔

بہر حال خانہ تلاشی کا سلسلہ زوروں پہ شروع ہوا۔ میرے گھر کی بھی پانچ بار تلاشی لی گئی۔

ہندوستانی فوج کا عملہ بہاری اہل خانہ کو اشارہ سے یا چپکے سے یہ کہہ دیا کرتا تھا کہ ہتھیار اگر ہے تو رکھے رہیں۔ وقت پر یہی آپ لوگوں کو کام دے گا آپ لوگوں کے بہت برے دن آرہے ہیں۔ ان بنگالیوں کے منصوبے انتہائی برے ہیں ہم لوگوں کے جانے کے بعد یہ بنگالی آپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

ہندوستانی فوج میں متعین کردہ عملے کی زیادہ تعداد اردو بولنے والوں کی تھی یعنی بہار و یوپی کے ہندو تھے۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد وزیر اعلیٰ تاج الدین اور صدر نذر السلام ہوئے۔ ان کے دور سلطنت میں وہ ظلم بہاریوں پہ نہیں ہوئے جس کی عام بہاریوں کو توقع تھی گھروں سے نکالا نہیں، قتل عام کا حکم نہیں دیا تھا۔ ممکن ہے کسی مصلحت کے تحت یہ ایکشن نہ لینا چاہتے ہوں اس لئے بھی تو کہ مجیب مغربی پاکستان میں مقید تھا یہ سوچ کر کہ اس کی رہائی میں رخنہ نہ پڑے یا مجیب خود آکر انہیں ذبح کرانے کا بندوبست کرے۔ قوم عیار، مکار اور موقع شناس بھی تو ہے۔

عام طور پر بہاریوں سے بنگالی کہتے پھرتے تھے کہ شیخ صاحب کے آتے ہی معاملہ سب ٹھیک ہو جائے گا آپ لوگ ڈریں نہیں۔ دانشمندی اور سیاسی بصیرت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ عام معافی ہوتی اور امن و امان قائم کیا جانا چاہیئے تھا۔ تمام کارخانے چلائے جاتے۔ اقتصادیات کی بہتری کی خاطر بہاریوں سے معاونت طلب کی جاتی۔

معاف کر دو اور بھلا دو کو اپنایا جاتا۔ سیاسی استحکام کی جانب رجوع کیا جاتا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ مجیب جیسے لوگوں سے اس کی توقع نہیں وہ جاہل، ظالم، بزدل

اور یہ پالیسی رنگ لائے گا اپنا ہاتھ بہاریوں کے خون سے رنگے گا۔ وہ انسان نہیں ہے۔ مسلمان نہیں ہے۔ بنگالی اور نا عاقبت اندیش بنگالی ہے۔ اس سے وفا کی توقع نہیں وہ تو انسانیت نوازی کے جذبے سے کوسوں دور کا آدمی ہے اسے بات کرنے کا آج تک شعور نہیں۔ دروغ گوئی اور افتراء پردازی ان کا شیوہ ہے بھیڑیا سے رحم کی توقع۔

لوگ کہتے تھے موت کے منہ سے نکل کر آرہا ہے۔ تبدیلی لازمی ہے ایک ملک کا سربراہ ہے اس کو ذرہ بلندی سے سوچنا ہی ہوگا۔ آخر حکومت چلانی تو ہے۔

میں کہتا تھا یہ کہاں کی اور کیسی باتیں۔ عجیب اور تبدیلی۔

عجیب اور بلندی۔ آج بھی اس کا نام زبان پر آتا ہے تو منہ کا مزہ خراب ہو جاتا ہے۔ متلی آتی ہے۔ اس کی قوم اس پر لعنت بھیجے گی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا مورخہ ۱۰ ار جنوری ۱۹۷۲ء کو وہ پاکستان سے لندن اور لندن سے ہندوستان ہوتا ہوا ڈھاکہ آیا۔

ریس کورس جس کو اب سہروردی ادوھان کہا جاتا ہے جلسہ خیر مقدم کرنے کے لئے منعقد کیا گیا۔ ریس کورس میں تقریر سے پہلے سہروردی صاحب کی قبر پر فاتحہ خوانی کی۔ فضل الحق صاحب کی قبر پر بھی فاتحہ خوانی کی لیکن خواجہ ناظم الدین صاحب آرام فرما ہیں ان کی قبر پر فاتحہ خوانی نہیں کی۔ اس نے اخلاقی وسعت کا ثبوت ڈھاکہ پہنچتے ہی دے دیا گیا۔ آگے کیا توقع رکھی جاسکتی ہے۔ سمجھ لو۔

بہر کیف اس نے تقریر میں پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی کی اندرا کی تعریف اور اپنی بہادری کا تذکرہ گرج گرج کر کیا۔ کوئی ایسی بات نہیں کہی کہ جس سے بہاریوں کو اطمینان وسکون ہوتا اور خطرہ ٹلنے کی بات ہوتی۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ آنے کے فوراً بعد بہاریوں کا نام ونشان مٹانے کی فکر اور پروگرام بنانے میں لگ گیا۔

چنانچہ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۷۲ء کو ہندوستانی فوج واپس ہوئی۔ ادھر پالیسی

بہاریوں کو فنا کرنے کی اور طریقہ کار کا تعین کر لیا گیا تھا۔ اسی دن مورخہ ۲۹ر جنوری ۱۹۷۲ء کی رات سے ہی مکتی باہنیوں نے باضابطہ طور پر جدید طرز کے اسلحہ سے لیس میرپور کے سیکشن نمبر ا پر حملہ کر دیا اور ہر چہار جانب سے یلغار شروع کر دی اس کی خبر لگ چکی تھی۔ میرپور کا صفایا کر دیا جائے گا بعد میں اور بہاری بستیوں کو دیکھا جائے گا۔

چنانچہ ہر مخلص دوستوں کی اچھی تعداد مجھ پہ زور دے رہی تھی کہ کم ازکم آپ میرپور سے ہٹ جائیں۔

میں نے عرض کیا۔

یہ وقت امتحان ہے۔ میرپور والوں کے ساتھ رہا ہوں ابھی چھوڑ کر جانا کچھ ٹھیک نہیں انہیں کے ساتھ مروں گا اور جیوں گا۔

جس اللہ نے فرعون کی گود میں موسیٰ کی پرورش کی تھی۔ حضرت یونس کی حفاظت حضرت موسیٰ کی نگہبانی کی اور بچایا وہی خدا میری بھی حفاظت کرے گا اور نگہبان رہے گا۔ میرا ذہن صاف ہے میں آج تک حتی الوسع دل نہیں دکھایا، کسی کو مارا نہیں مروایا نہیں۔ میں نے ہمیشہ بلاتمیز لوگوں کی مدد کی ہے اور اگر قسمت میں ذبح ہی ہونا ہے تو اللہ کی مرضی پاس کرتے ہوئے یہ بھی منظور۔

مورخہ ۳۰ر جنوری ۱۹۷۲ء کو سارے میرپور میں کرفیو لگا دیا گیا۔ تمام نکڑ اور موقع کی جگہوں پر توپیں نصب کر دی گئیں۔ مجیب نے بہاریوں کو فنا کرنے والی فوج متعین کی گئی۔ کرنل شفیع اللہ کو انچارج بنا کر بھیجا گیا۔ یوں بھی بنگالی میں عام تاثر یہ تھا کہ پاکستانی فوج نے تو ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ لیکن میرپور نے تو ہتھیار ڈالا نہیں، یہ تو بنگلہ دیش کے اندر پاکستان ہے۔ اسے ختم کرنا ہی ہوگا۔

مجیب کی کیبنٹ میں چند وزراء ایسے بھی تھے جو بہاریوں کو فنا کرنے کے حق میں نہیں تھے لیکن مجیب اور تاج الدین مصر رہے کہ ایسے ہی کریں گے۔ شروع میں ان کی کثیر تعداد میں فوج میرپور آ گئی تھی چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا گیا

تمام ڈھاکہ چھاؤنی کی طرف ماسٹر، چھپا دیئے گئے۔ کسی فاضل شخص کو میرپور کے اندر آنے کی اجازت نہیں تھی۔ کرمی ٹولہ میں راکٹ میزائل فٹ کر دیئے۔

میرپور کے سیکشن نمبر ۱ میں قتل عام شروع ہو گیا۔ آن کی آن میں ۲۵، ۳۰ ہزار معصوموں کا قتل ہوا۔ ادھر سیکشن نمبر ۱۲ میں جوانوں کو گھروں سے نکال نکال کر اور باندھ باندھ کر میدان میں اکٹھا کر رہے تھے۔ یہ شکل جب سیکشن نمبر ۶ کے لوگوں نے دیکھی تو چند جانباز لڑکے پیچھے سے آئے اور کہنے لگے۔

کہ آپ تو حکم دیں گے نہیں اب ہم لوگ میدان میں آ رہے ہیں۔ دعا کیجئے۔ لڑ کر عزت کی موت اس خصی اور بکرے کی طرح کاٹے جانے سے بہتر ہے۔ اگر اللہ کو ہم لوگوں کی اور زندگی ہے تو بچائے گا۔ یہی ایک راستہ کچھ لوگوں کے بچنے کا بھی ہے۔ چنانچہ جیالے نوجوان سینہ سپر ہو کر کفن باندھ کر میدان میں مقابلہ کے لئے کود گئے۔ بنگالی سیکشن نمبر ۱۳ سے چھین کر بہت سے ہتھیار لے آئے۔

اڑتالیس گھنٹے گھمسان کی جنگ مسلسل رات دن ہوتی رہی۔ یہ سارا معرکہ بیری کورٹ کے آگے پیچھے میدان میں ہوتا رہا۔

ساڑھے تین چار سو بنگلہ دیش کی فوج کام آئی۔ پینتالیس بہاری جوان اس معرکہ میں شہید ہوئے۔ کافی تعداد میں لاشیں اور ہتھیار چھوڑ کر بنگلہ دیش کی فوج فرار ہو گئی۔

اب ہندوستانی فوجی افسروں کا تانتا بندھا اور سفید جھنڈے کے ساتھ جنگ بندی کا پیغام لے کر آتے رہے۔ ادھر کرمی ٹولہ چھاؤنی سے راکٹ بھی مسلسل برسا رہے تھے۔ ادھر کسی کو میرپور کے اندر آنے کی اجازت نہ تھی کہ ریڈ کراس کے لوگ بھی نہیں آ سکتے تھے۔

کسی طرح مغربی ممالک کے پریس کے دو شخص رات کی تاریکی میں اسی جنگ کے دوران اندر آنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ جنہیں سیکشن نمبر ۱۱ کے مسجد کی دوکان میں چھپا کر رکھا گیا۔

بہر کیف جنگ تو بند ہو گئی تھی۔ لیکن سیکشن نمبر ۱ کی بچی آبادی کو ٹرکوں اور بسوں
میں بھر کر موڈا پاڑہ لے جایا گیا۔

یہ جگہ نواب گنج کے راستہ ندی پار کوسوں دور ایک گاؤں ہے وہیں رکھا گیا
بہتیرے کو جیل میں ڈال دیا گیا اور ان میں سے اکثر کو جیل سے نکال کر ایذا رسانی کے
بعد بیدردی کے ساتھ ڈاکٹر مشرف۔ ایم۔ پی۔ پی اور عبدالمنان بی ڈی ممبر
کی سرپرستی اور حکم پر ذبح کر دیا گیا۔

پورا سیکشن نمبر ۱ لاشوں سے پٹا تھا۔ ہر طرف خون ہی خون اور لاشوں کے
سڑنے کی بدبو پھیلی ہوئی تھی یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ مورخہ ۲۳ر مارچ ۱۹۷۱ء کے
پاک ملیٹری ایکشن بعد شمالی بنگال اور ادھر ادھر سے کثیر تعداد میں آکر لوگوں نے پناہ لے
لی تھی۔

اب چہار جانب میرپور ہندوستانی فوجی افسروں کی سرپرستی میں تعینات
تھیں۔ روزانہ گھروں میں گھس گھس کر مارا پیٹا جاتا رہا۔ گھسیٹ کر لے جاتے اور
ذبح کرتے۔ بے بسی ایسی کہ کوئی اُف نہیں کر سکتا تھا۔

روزانہ مائیک پہ اعلان کر دیا جاتا کہ ہتھیار جمع کرائیں تب جان بخشی ہوگی
لوگ لائسنس کی بندوقیں جمع کروا رہے تھے۔ ٹیلیفون تو کب کا میرپور والوں کا
منقطع کر چکے تھے۔ تمام ٹرک اور کاریں کی لے جا چکے تھے۔

مکتی باہنی، عوامی لیگی غنڈے، طلباء۔ میرپور میں دندناتے پھرتے۔ کسی
گھڑی اتارتے، ریڈیو اور اٹھاتے تو جس کو پسند آتے لے جاتے۔ دہشت گردی
کرتے۔ گرفتار کرتے۔ راتوں کو گھروں میں گھس جایا کرتے کوئی بول نہیں سکتا۔

اعلیٰ سطح کے بہاری لوگ منہ چھپائے پھرتے۔

یوں تو امام حسینؓ کی شہادت اپنی جگہ ہے۔ اہل بیت پر بھی یزیدیوں نے ڈھائی
پونے تین مہینہ پانی بند رکھا گیا۔

لیکن میرپور کی بہاری آبادی پہ پانی، بجلی اور کھانا تئیس دنوں تک یزید

ثانی مجیب نے بند رکھا۔

مورخہ یکم فروری ۱۹۷۲ء سے ۲۳؍فروری تک بالکل بند رکھا گیا۔ ٹیوب ویل تک بہت سے توڑ ڈالے گئے۔ لوگوں کو گڑھے کا گندہ پانی پینا پڑا۔ فاقہ پر فاقہ کرنا پڑا۔ دو تین دن میں قلیل طور پر کچھ مل جایا کرتا تھا۔ چمڑہ گلا کر کھانا پڑا۔ گھاس کھانا پڑی۔ پورا میر پور آہ و بکا کی بستی بن گیا۔

مورخہ ۴؍فروری ۱۹۷۲ء کو مجیب سے گھر خالی کرایا گیا۔ ننگا گھر سے نکال کر مکان پر قبضہ کر کے اپنا کیمپ بنایا اور سارا سامان ٹرک پر لاد کر لے گئے۔ کچھ ہی دنوں بعد سیکشن ۱۱ کے پورے باشندوں کو نکال کر میر پور کے سیکشن نمبر ۱ میں بسوں میں بھر کر لے گئے۔ چار پانچ دنوں کے بعد واپس کیا۔ بعد میں پھر سیکشن نمبر ۶ کی پوری آبادی کے مکانات خالی کرا کے سیکشن نمبر ۱ میں بھیج دیا۔

میر پور کی پوری بہاری مرد آبادی کو مورخہ ۵ ار فروری ۱۹۷۲ء کو پلا بی کے میدان میں اکٹھا کر لیا گیا۔ سارے لوگوں کو قطاروں میں بٹھایا گیا۔ ٹرک اور بسیں کثیر تعداد میں جمع کی گئیں۔ مسلم لیگی کارکن غنڈے نشاندہی کرتے اور اسے اٹھا کر بس میں بٹھا لیا جاتا۔

اس طرح مغرب تک سلسلہ جاری رہتا اور تقریباً اس طرح نشاندہی کر کر کے تقریباً دس ہزار لوگوں کو جیل لے جا کر بند کر دیا۔ بہت سے کو جیل بھی نہ لے جایا گیا کہ قتل گاہ لے جا کر ذبح کر دیا گیا۔

لوگ جب شام کو گھر لوٹ رہے تھے تو سارے میر پور میں سوائے چیخ و پکار، نالہ و فریاد اور آہ و بکا کے کچھ سنائی نہ پڑتا تھا۔ کوئی جھونپڑہ ایسا نہیں جو آہ و بکاہ سے خالی تھا۔

یہ بھی اس وقت پتہ نہیں تھا کہ لوگوں کو کہاں لے گئے وہ تو بعد میں پتہ چلا جیل میں ہیں۔

کوئی وکیل نہیں۔ پیروی کار نہیں۔ جیل کی جتنی وسعت تھی اس سے کہیں

زیادہ لوگ بھر دیئے گئے۔ وہاں جیل میں لوگوں کو زدوکوب کیا گیا۔ طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ کوئی بھی ان کے خلاف دفعہ عائد نہیں کی گئی۔ میرپور کے تمام گرڑھے جن کی تعداد کثیر تھی صاف کرائے گئے۔ زدوکوب کیا گیا اور زبردستی پانی میں تمام مردم آبادی کو ڈرایا گیا۔

مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۷۲ء کو پھر مرد اور عورت پوری آبادی کو گھر سے نکال کر پلابی کے میدان لے جایا گیا۔ ذلیل وخوار کیا گیا۔ عورتوں کی تلاشی لی گئی۔ اور مال و زر اس بہانے لوٹا گیا۔ فاقہ، بھوک، پیاس اور اندھیرے سے اس طرح پوری آبادی تنگ آ چکی تھی۔ دو تین دنوں تک ریڈکراس کی جانب سے امداد نہ ملتی تو ساری آبادی بھوک سے ہلاک ہو جاتی، معاملہ نازک اور سنگین ہو چکا تھا۔

مورخہ ۱۸ اپریل ۱۹۷۲ء کو سیکشن نمبر ۱۳ کے موڑ پر ہزاروں آدمیوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر جنگل لے جا کر ذبح کیا اور لاشوں کا پتہ بھی نہ چلا۔ ساری میرپور کی بہاری آبادی کو تینوں پرانی کالونی سیکشن نمبر ۱، ۲، ۶، ۱۲، سیکشن نمبر ۱۰ سی بلاک۔ غرضیکہ سارے میرپور کی آبادی کو سیکشن نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۱ کے بی۔ سی بلاک میں لا کر اکٹھا کر دیا گیا اور کرفیو نافذ رہا۔ اس کا رقبہ میرے ہزاری باغ جیل سے بھی کم ہے۔

اس چھوٹے سے رقبہ میں لاکھوں کی آبادی اکٹھے کر دیئے گئے بعد میں زنٹن گگ اور آدم جی نگر کے لوگوں کو بھی یہیں لایا گیا۔ کیا حالت ہوگی ذرہ خیال تو کریں۔ کھلے میدان میں پڑے۔ جھونپڑے کچھ بعد میں بنے۔ روزانہ کہیں نہ کہیں سے بنگالیوں کی ہڈیاں نکال دی جاتی تھی اور کچھ نہ کچھ بہاری قتل کر دیئے جاتے رہے یہ سلسلہ کافی عرصہ جاری رہا۔ ہڈی زمین سے نکلی اور بنگالی کا رکتو رخون، گرم ہوا۔

معلوم ہوا کہ جتنے بہاری مارے گئے بعد میں ساری ہڈیاں بنگالی بن کر

نکلتی رہیں۔ خون گرم ہوتا رہا اور بہاریوں کا خون ناحق ہوتا رہا۔ بہاریوں کی چھوڑی ہوئی مکان، دوکان، کارخانے اور آفس کو متروکہ قرار دے دیا گیا۔ بنک کے پیسے ضبط کر لیے گئے۔

بنگلہ دیش سے دلالوں کے ذریعہ نکلنا چاہیئے تو پکڑ دھکڑ، لوٹ کھسوٹ اور مار پیٹ۔ دلالوں نے بھی خوب خوب لوٹا۔

پاسپورٹ بند کسی طرح پاسپورٹ غلط طریقہ سے حاصل بھی کر لیا گیا تو ایرپورٹ پر گرفتاری اور لوٹ مار کا خطرہ۔ بہاریوں کی جائیداد کا تخمینہ لاکھوں کیا کروڑ تک پہنچے گا ویسے بی۔ بی سی کے اعلان مورخہ ۲۱ فروری ۱۹۷۳ء کے مطابق سات سو بلین ڈالر کی مالیت بنگلہ دیش میں چھوڑی ہے۔

بین الاقوامی ریڈ کراس نے فیاضانہ طور پر مدد کی مگر یہ ساری بے معنی ہو جاتی تھی اس لئے اس کا بڑا حصہ کسی طرح بنگالیوں کو پہنچ جاتا تھا۔ بکیشن دس گیارہ اور بارہ نمبر کے پندرہ پندرہ سو روپے تھانہ داروں کو دینے پڑتے تھے۔ اس لئے کہ وہ ستائیں نہیں اور زیادہ پریشان نہ کریں۔ یہ رقم وہی ریلیف کا سامان فروخت کر کے مہیا کیا جاتا تھا۔

اس کے علاوہ وہ گرفتار بھی اکثر لوگوں کو سول فورس میں شرکت کا الزام رکھ کر یا مجاہد فورس سے وابستگی کے الزام میں اور دیگر مفروضہ و من گھڑت الزام لگا کر جس کو چاہتے گرفتار کرتے، زدوکوب کرتے اور روپے وصول کرتے ان لوگوں کو ریلیف کا سامان ہی فروخت کر کے چھڑایا جاتا رہا۔

عوامی لیگی کارکن، غنڈے اور طلبا غنڈے کو بھی مقررہ رقم اور جنس کی شکل میں بھی مہیا کیا جاتا رہا۔

اس لئے کہ بنگالی عوام نت نئے الزام تراشی کر کے مسلسل پریشان کرتے رہتے تھے۔ ان سب کے علاوہ بنگلہ دیش ریڈ کراس کے آفیسر، عملے اور انفرادی طور پر بھی اچھی خاصی رقم جنس کی شکل میں دینی پڑتی تھی۔

ڈاکٹر مشرف ایم۔ پی اے جو میر پور میں بہاریوں کو طرح طرح پریشان کرتا رہتا تھا۔ کمبل، کپڑے اور دیگر چیزیں بزور لے جاتا رہا اور بنگالیوں کو دلواتا رہتا تھا۔ بنگالیوں کی دسترس اور لوٹ کھسوٹ سے جو چیزیں بچتی تھیں اُسے وہ کوڑیوں کے دام فروخت کر کے کسی طرح ضروریات پوری کرتے تھے۔

ہسپتال کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ تعلیمی سلسلہ بچوں کا بالکل منقطع ہی رہا۔ بین الاقوامی ریڈ کراس کو حکومت بنگلہ دیش کی جانب سے مجبور کیا گیا کہ وہ بنگلہ دیش ریڈ کراس سے کنٹریکٹ کرے کہ بین الاقوامی ریڈ کراس سامان سب بنگلہ دیش ریڈ کراس کے حوالے کرے اور وہ اپنی نگرانی میں اس ریلیف کے سامان کو تقسیم کرائے گا۔ جب سے کمل ضدآمد شروع ہوا ہے۔ سارا ریلیف بند کر دیا گیا بس صرف چھ چھٹانک یومیہ کے حساب سے دیا جانے لگا۔ وہ بھی مہینہ کے آخر میں ہفتہ، دس روز بند ہی رہتا تھا۔ گندم کی بوریاں سب استعمال کی اجازت نہیں بلکہ بنگلہ دیش ریڈ کراس کو واپس کرنے کو کہا جاتا رہا۔ مرنے والوں کے لئے کفن تک پورا نہیں ملتا تھا۔

عام بہاریوں کو ان کی ملازمتوں سے برطرف کیا جا چکا تھا۔ کچھ لوگوں کو بنگلہ دیش کی حکومت نے اپنی ضروریات کے تحت بعدہ رکھا بھی تو چند ماہ بعد بغیر کسی تنخواہ کی ادائیگی کے نکال دیا۔ جائیدادوں کے بارے میں عوامی لیگ، درپردہ بہت قبل فیصلہ کر چکی تھی کہ بہاریوں کی دوکانیں، مکانات وغیرہ چھین کر عام عوامی لیگیوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ چنانچہ سقوط ڈھاکہ کے بعد ہی کچھ بڑا جائیداد آپس میں تقسیم کر لی گئیں۔

اس طرح لوگ بہاریوں کی جائیدادوں پر قبضہ کر رہے تھے جیسے اندھے کی گائے نے بچہ دیا۔ سب لوٹ لائے کہ دوڑو اور بندر بانٹ کرو۔ لوٹ گھسوٹ کی ایسی دوڑ تھی کہ کہاں تک بہاریوں کی کھینچنے کے لئے تیار تھے۔ شاید کھال کے اندر بھی پیسے ہوں۔ کچھ خریداری کا لبادہ اوڑھ کر آتے۔ مکان پر خریداری

کے بہانے قبضہ کرتے۔ بعد میں لوٹ لیتے اور اغوا کر کر مار ڈالتے۔ سقوط ڈھاکہ کے ایک طویل مدت گذر جانے کے بعد بھی لوٹ مار، تشدد اور ایذا رسانی کی گورنمنٹ پالیسی میں لچک اور نرمی پیدا نہ ہو سکی۔

کھلنا۔ چٹگاؤں، سید پور اور شمالی بنگال کے صوبتحالی بہاریوں کی حکومت اور عام عوام کے ہاتھ ایذا رسانی۔ لوٹ، گھسوٹ، تشدد، اغوا اور گاہے بگاہے وقفہ دے کر قتل کرنے کا سلسلہ مسلسل جاری رہا۔ چٹگاؤں سے برما جانے والے خلیج بنگالہ کے راستے بھی بند ہو گئے۔ کچھ نے جنگلوں میں پناہ لی۔

ہاں تو میں یہ لکھنا بھول گیا کہ جب بنگلہ دیش کی فوج میرپور کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں اور وہاں کے بسنے والے بہاریوں کو مجیب صاحب کی خواہش کے مطابق نیست و نابود کرنے میں ناکام رہی تو اس نے کرنل شفیع اللہ کو ڈانٹ پلائی۔

"اور ہاتھ جھٹکا کر کہنے لگا کہ اتنا بڑا میرپور کو تم (سیس) ختم نہ کر سکے۔ جاؤ (سیس) ختم کرو۔ بین الاقوامی رائے عامہ سے میں نمٹ لوں گا۔ یہ بات کرنل شفیع اللہ نے میرپور آکر خود بتائی کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے۔"

فرعونیت معراج پر تھی۔ مجیب ان ہونی باتوں کو ہونی بنانا چاہتا تھا چنانچہ اپنی تقریر میں اس نے کہا کہ دیوتا ٹیگور نے کہا ہے کہ بنگالی حکومت کرنے کے لائق نہیں، یہ حکومت نہیں کر سکتا۔ میں یہ دکھا دوں گا کہ بنگالی آزاد رہ سکتا ہے، حکومت بنا سکتا ہے اور کامیاب طور پر چلا سکتا ہے۔ لیکن ہم لوگوں کا نظریہ بنگالیوں کے بارے میں جداگانہ رہا اور وہ یہ کہ

تمہاری تہذیب آپ اپنے خنجر سے خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

عام بنگالی یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ مجیب نام نہاد آزادی دلا کر بنگلہ دیش میں دودھ و شہد کی ندیاں بہائے گا۔ ہر جگہ چیزوں کی افراط ہو گی، سنار بنگلہ کی زمین سونا اگلے گی۔ دولت کی فراوانی ہو گی۔ فارغ البالی کا دور دورہ ہو گا۔ بہاریوں کی اولاد

کی دولت کے مالک بن جائیں گے

بنگالی عوام، کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ تو "جاتی پتا" بنگالیوں کا بننے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ یہ گاندھی، قائداعظم وغیرہ لوگوں کے ہم پلہ ہونا چاہتا ہے۔ نوٹ پر فوٹو چھپوانے کے لئے تڑپ رہا ہے۔ بہاریوں کا صفایا اور ساری بنگالی قوم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کے حوالہ کر رہا ہے۔

ابتدا میں کئی بار مجیب نے کہا بھی کہ افسوس قوم نے مجھے "جاتی پتا" بنا دیا کیا کروں ورنہ بنگالیوں کو کیسے ٹھیک کیا جاتا ہے۔ میں جانتا ہوں آج لوگ مطالبہ کر رہے ہیں کہ کپڑا اور چاول کس گودام میں رکھا ہے پہلے تو سب پاکستان چلا جاتا تھا۔

آج ساری بنگالی قوم دانہ دانہ اور تا، تا کو محتاج ہو گئی ہے۔ رات کی نیند اور دن کا سکون چھین گیا ہے۔ لوٹ مار، غارت گری کی گرم بازاری۔ کل کارخانے بند پڑے ہیں۔ رسل و رسائل کی ناگفتہ بہ حالت ہے۔ ہر مہینہ نوٹ چھاپ کر کام چلایا جا رہا ہے۔ انٹرنیشنل پریس میں بنگلہ دیش نے تین ارب کا نوٹ چھپوایا۔ اس نے نو ارب کا نوٹ چھاپ کر پھیل دیا۔۔ محبت میں سب کچھ روا ہے۔ بے چوں چرا قبول کرنا ہی پڑا۔

محبت ہی تو تھا کہ ہندوستان نے آزادی دلادی۔ اس کے بدلے بنگلہ دیش اور اس کی عوام نے بہاریوں کی دولت، چاندی، سونا، تانبا اور دیگر مفت میں اور برائے نام قیمت پر کل کارخانہ کے پرزے تک کھول کر دے دیئے۔ جنگ میں حاصل شدہ اشیاء، ہتھیار، جہاز اور دیگر سارے آلات دوست ملک ہندوستان کے حوالے کر دیا۔

ستائیس سالہ ہندوؤں کی جائیداد معہ خسارہ و تاوان واپس کر رہے ہیں، قانون تو بنا ہی دیا ہے۔ جوٹ کا ذخیرہ بھی حوالے کرتے ہی رہتے ہیں۔ دوست کی خوشنودی ہی تو ہے کہ بجائے دینی اسٹیٹ کے لادینی اسٹیٹ بنایا اور قرآن کے ساتھ دید

اشلوک کی راگنی الاپی جاتی ہے۔ بنگلہ دیش کے بسنے والوں کی زبان کی وابستگی کی بنا پر قوم بنگالی بنی۔

دوستی کا پاس کرتے ہوئے پچیس سال تک اپنی فوج ترتیب دینے سے احتراز کرنے کا عہد بھی کر لیا۔ ساتھ ساتھ بیرونی تجارت اور دیگر مسائل بیرونی پر کسی ملک سے بغیر مشورہ ہندوستان کے نہ کرنے کا عہد بھی کر لیا۔ پانچ میل ادھر اور پانچ میل اُدھر سرحد کے فری ٹریڈ کے اصول کو بھی تسلیم کر لیا۔ بجلی کا نظام بھی انڈیا ہی کے کنٹرول میں ہوگا اور جوٹ بورڈ کا دفتر بھی کلکتہ منتقل ہونے والا ہے ایک جان دو قالب۔ لوگ کہتے ہیں کہ مجبوراً مجیب یہ سب کر رہے ہیں میں کہتا ہوں کہ یہ ان کی فراخدلی اور دوست نوازی ہے۔

بنگالیوں میں عام تاثر یہ ہے کہ مخالفین بنگلہ دیش مسلمانوں کو مروانے، عوامی لیگی کارکنوں اور لیڈروں کو چن چن کر صفایا کرانے کا کام بھی ہندوستان ہی کر رہا ہے یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ

بنگالی ہندو جوانوں کو فوجی تربیت اور ہتھیار دے کر بنگلہ دیش بھیجا جا رہا ہے۔ کیا گل کھلے گا معلوم نہیں۔ جاتی پتا کا کیا بنے گا۔ یہ نظارہ بھی کچھ دور نہیں

ابھی صبح سے شام بھی نہیں ہوئی تھی کہ بنگالی عوام اپنی مخصوص نفسیات کے مطابق، سڑکوں، گلیوں، کوچوں میں، جلوسوں میں جھنڈا باندھ کر نکلتے ہیں کہ مجیب رے کلہ چاہی، مجیب رے ماتھا (سر) چاہی، مجیب رے رکتو (خون) چاہی مجیب گدی چھوڑ دو۔ ہندو کی غلامی چاہی نہ۔ ملعون رے غلامی چاہی نہ روٹی کپڑا بھات دو۔ نہ تو گدی چھوڑ دو۔ "جاتی پتا کی نیند حرام کر دیا لوگوں نے اور سنیئے یہ بھی نعرہ لگتا ہے (" امارہ پاکستان پھرت دو")

"چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"

اب تو چڑیا چگ گئی کھیت یہ کیسے ممکن ہے کہ لوگ جب چاہیں مسلمان بن جائیں اور جب چاہیں بنگالی۔ جب چاہیں پاکستان کے ساتھ رہ کر پاکستان

کی قبر کھودتے رہیں اور جب چاہیں بنگلہ دیش بنالیں جب چاہیں لاکھوں بسے ہوئے مسلمانوں کو بے گھر کردیں، عورتوں کے سہاگوں کو لوٹ لیں، بچوں کو لاوارث اور یتیم بنادیں، بے دردی سے بازار قتل عام رچا ہیں۔ دولت پر قبضہ جمالیں اور اثاثہ کو لوٹ لیں۔ ملنے ملانے کا تصور سرے سے غلط بلکہ بجلہ بہاریوں کا بنگلہ دیش میں رہنے کا جواز نہیں، جلد از جلد لانے کی سعی کرنی چاہیئے ورنہ وہ آہستہ آہستہ کرکے مارے جائیں گے یا اذیت اور عذاب سے مرجائیں گے۔

اب بنگالیوں کا بنگادیش میں وہی ردعمل اور نفرت کا طوفان ہے جو پہلے پاکستانی حکومت اور مغربی پاکستانیوں کے خلاف تھا۔ اب نفرت نے رخ موڑ لیا ہے اب ہندوستان حکومت اور ہندوؤں کے خلاف ہے۔

پہلے مجیب کو بنگالیوں نے بنگلہ بندھو کا لقب دیا تھا اور اب ظالم، ناکارہ، جاہل اور بے ایمان کا لقب دے رہے ہیں۔ مگر ان سب کا سوائے اس کے بین الاقوامی پیچ پر یہ تبدیلی واقع ہو ہندوستان کی حکومت اور ہندوؤں کے پنجہ خونی سے نجات کی کوئی شکل نہیں۔

اب ہندو تجارت پر چھا رہے ہیں موتی جھیل وغیرہ میں آفس قائم کئے جا رہے ہیں مورتیاں آفس میں دکھائی پڑتی ہیں کرتن ہو رہے ہیں۔ ہندو مارواڑی تجار آہستہ آہستہ ذہنی صفائی کرکے ۱۹۴۷ء سے قبل کی حالت پر لانے کے لیئے راستہ ہموار کررہا ہے۔ مارواڑی جانتا ہے کہ یہ کس راستہ لائے اور رکھے جاتے ہیں۔ مارواڑی بہاریوں سے یہ کہتا تھا کہ آپ انہیں سامنے بٹھاتے، کھلاتے ہو اور اچھی بڑی باتیں کرتے ہو۔ سر پر چڑھا رہے ہو اچھا نہیں کررہے ہو۔ آپ کی یہ زمین تنگ کرکے رہیں گے۔

مارواڑی یہ بھی کہتا تھا کہ یہ لوگ حاسد ہیں آپ نمائش کھانے، پہننے اور رہنے کی نہ کیا کریں۔ مکان بنانے ہوں تو مغربی پاکستان میں بنوائیں۔ دیکھئے ٹوٹی پھوٹی دوکان کئے ہوئے ہیں۔ مکان کچھ اچھا ہے بھی تو پیچھے کی طرف۔ تاکہ مکان پر

ان کی نظر نہ پڑے۔ پیسے کماتا ہوں کلکتہ بھیجتا ہوں۔ تجارت بھی انہی کے روپیہ سے کرتا ہوں۔ دو سو کا جھوٹ خریدا۔ پچاس روپیہ دے دیا ڈیڑھ سو رکھ لیا دیہاتی بنک کیا جانے ؟ اس پچاس روپیہ کا اس نے بازار کیا۔ پھر مہینہ بھر کے بعد دیہاتی آتا جوٹ دے جاتا اور کچھ روپیہ لے کر سودا خرید تا۔ کبھی ساتھ نہیں بٹھاتا کبھی منہ بھر کر بات نہیں کرتا ورنہ ہم لوگ کاروبار نہیں کر سکتے اسی حالت پر اب آ رہے ہیں۔

قیام پاکستان سے حالت وہاں کی یوں تھی کہ ہندو بڑی طرح مسلمانوں پر مسلط تھا۔ بازار پر ہندوؤں کا بالکل قبضہ تھا۔ مسلمان اپنے بچوں کو تعلیم نہیں دلوا سکتے تھے اس لئے مسلمانوں میں تعلیم خال خال ہی رہی۔

داڑھی پر ٹیکس ہندو زمینداروں کی طرف سے لگے تھے اور داڑھی رکھنے پر مسلمانوں کو مجبور بھی کیا جاتا تھا۔ وہ اس لئے کہ پیسے بھی ملتے تھے اور ہندوؤں کا کہنا تھا کہ ان کی مرمت اور پٹائی داڑھی پکڑ کر کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔ جنگل میں لکڑی کاٹنے پر پابندی تھی کوئی مسلمان بغیر ہندو زمیندار کے لکڑی جنگل سے کاٹ نہیں سکتا تھا۔

لڑکے اور لڑکیوں کی شادی کے لئے اجازت ہندو ہی کی لینی پڑتی۔ مسلمان لڑکا بارات لے کر جب گھر واپس ہوتا تو اپنے گھر جانے سے پہلے ہندو زمیندار کے گھر جانا پڑتا تھا۔ ختنہ کرانے تک کی ہندوؤں کی جانب سے اجازت نہ تھی عسرت، بھوک اور افلاس مقدر بنی تھی۔ احساس حیات تک باقی نہیں تھا۔

پوری مسلم آبادی کو ہندو اچھوت اور شودر کی طرح رکھے تھا۔ احساس محرومی کی شدت ہر فکر پر غالب تھی کوئی راہ مسرت اور نجات کی سجھائی نہیں دیتی تھی۔ پیٹ میں دانہ اور بدن پر کپڑا تک میسر نہیں تھا۔ اسی خطہ کی دولت سے کلکتہ کی رونق تھی۔ اس خطہ میں ہندو، مسلمان علاقہ سمجھ کر مل اور کارخانے نہیں لگاتا تھا۔ بندرگاہ کو ترقی نہیں دیتا تھا۔ چنانچہ پورا یہ مسلم علاقہ زرخیز لیکن

تمامتر ترقیوں سے محروم رکھا گیا تھا۔ چنانچہ بوجہ غربت و عسرت خودداری نہیں رہی اور بھیک مانگنا اور چوری کرنا عام مسلمانوں کا مزاج بن گیا تھا۔

افسوس صد افسوس قیام پاکستان کے بعد بھی اپنے محسنوں کو نہیں پہچانا ان کے زعماء نے ماضی کو بھلا دیا اور عوام کو غلط طرز فکر عطا کی اور غلط راہ پر لگا دی۔ کاش قیام پاکستان کے بعد ترقیوں پر نگاہ رکھتے اور خداوند پاک کی عطا کردہ آزادی اور فارغ البالی پر سجدہ شکر بجالانے کے بجائے اللہ کی رحمت کو بے دردی سے ٹھکرا لینے کی سوچ لی۔

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

بنگالیوں کو پاکستان اور دنیائے اسلام سے قریب ہونے کے لئے احمقوں کی جنت سے نکلنا ہوگا۔ سنار بنگلہ اور دیش رے مائی کی راگنی کو ترک کرنا ہوگا کنوئیں کے مینڈک بنے رہنے اور اس ناپاک جذبہ وطنیت کے خیال سے گلو خلاصی کرنی ہوگی۔

جذبہ وطنیت کو جذبہ اسلام پر قربان کرنا ہوگا۔ بنگالی قومیت کے پرفریب تخیل اور تباہ کن نظریات کو درخور اعتناء کرنا ہوگا۔ بنگلہ زبان کی بلا خیز اور اس کی فتنہ انگیزی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کرنی ہوگی۔ بنگلہ زبان سے نجات کیا ہندو گردی سے نجات ملے گی۔ ہندوؤں کی سازشوں اور ان کی پریشان کن تانا بانا سے نجات مل جائے گی۔

یہی شکل پاکستان سے قریب آنے کی ہو سکتی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ بنگلہ زبان کا خناس ذہنوں میں رہے۔ بنگلہ قومیت کا بھوت بھی سروں پر مسلط ہو اور اسلام سے قربت بھی نہیں ہو سکتا۔ تجربات یہی بتاتے ہیں۔ شفا کی یہی ایک شکل ہے۔ ورنہ اشلوک اور وید کی تلاوت آج اسمبلی میں شروع کی ہے کل ہر مسلم گھروں میں نظر آئے گا۔

اسلامی اسٹیٹ کے تخیل کو تیاگ دینا پڑا ہے۔ لادینی اسٹیٹ کو اپنانا پڑا
یہ سب کہاں ہوا جہاں کی پچاسی فیصد آبادی مسلمانوں کی کہی جاتی ہے اور بعض مخدول
کی زبان میں کہ یہاں پارسا اور پاک دامن مسلمان بستے ہیں۔
کہاں گئی ہیکڑ دی۔ چھپن ۵۶ فی صد پاکستان باسیوں کو کیوں سانپ سونگھ گیا
ان کی عظمت ووقار کی بلند پروازیں کہاں گئیں۔

کالوبوریٹرس ایکٹ (COLLOBORAT RS ACT) پاک فوج کا ساتھ
دینے کا الزام۔ غیر بنگالیوں کے قتل عام، بسے ہوئے گھروں کو اجاڑنے آبادیوں
کو نیست و نابود کرنے کے بعد بھی نیت نہیں بھری تو اس ایکٹ کے تحت ایذارسانی
اور دہشت گردی کو راہ دی گئی۔

یہ عمل تقریباً سقوط ڈھاکہ کے تقریباً دو سال بعد تک پورے شباب پر رہی
جس کسی بنگالی دوست نے اپنے غیر بنگالی دوست پر، کسی بنگالی پڑوسی نے اپنے
غیر بنگالی پڑوسی پر اور کسی بنگالی ساتھی نے غیر بنگالی ساتھی پر، کسی بنگالی غنڈے
نے کسی غیر بنگالی معصوم پر اور کسی بنگالی نے اپنی سیاسی رقابت کی بنا پر کسی غیر
بنگالی پر انگلی رکھ دی یا نشان دہی کر دی کہ یہ کالوبوریٹرس ہے۔ پھر کیا
تھا۔ جیلوں کو بھر اگیا، سنگدلانہ طور پر زدو کوب کیا گیا۔ اس میں نہ کسی تفتیش
کی ضرورت محسوس کی گئی اور نہ صفائی کا موقع دیا گیا۔

غرض کہ دہشت گردی کا دور دورہ رہا۔ پورے بنگلہ دیش کی غیر بنگالی آبادی
اس دوران سسکتی رہی، پھڑ پھڑاتی رہی اور مجموعی طور پر لرزہ براندام رہی۔ ان
ظالموں کو ترس نہیں آتا تھا۔ اس موت و زیست اور خوف و ہراس کی کش مکش کی
زندگی نے سب کی تندرستی تک کو بری طرح مجروح و متاثر کیا۔ نہ خوف خدا تھا
تھا اور نہ انسانیت نوازی کا خیال تھا۔

کالوبوریٹرس ایکٹ (COLLO BORAT RS ACT)

پاک فوج کا ساتھ دینے کا الزام، جو ان مردوں پر ہو سکتا ہے اور وہ بھی ازروئے قانون تفتیش ہوتی۔ چارج شیٹ دیا جاتا۔ صفائی کا لوگوں کو موقع ملتا نہ کہ ایک طرف سے غیر بنگالیوں کو بغیر تفتیش اور پوچھ گچھ کے پکڑ لیا گیا، ذبح کیا گیا، طرح طرح سے ایذا دے دے کر مار ڈالا گیا۔ ایذا رسانی کی گھڑے ہوئے طریقوں سے ایذا پہنچائی گئی۔ جیلوں کو بھرا گیا۔

جو ان مردوں میں بھی تو بہول نے پاک ملیٹری کا ساتھ نہیں دیا تھا بنگالیوں کی نظر میں یا ان کے نام نہاد بنائے ہوئے قانون کے تحت انسانوں جیسا کیا جاتا باضابطہ کھلی عدالت میں مقدمہ چلایا جاتا۔ ڈیفنس کے مواقع مہیا کئے جاتے نہ کہ جنگل کے قانون کی عملداری شروع کر دی جاتی۔

چلئے تمام نوجوان ملزم سہی، کوئی انسان بتائے کہ بوڑھوں نے پاک فوج کا کس طرح ساتھ دیا تھا۔ عورتوں نے کیا کیا تھا، بچوں نے کیا قصور کیا تھا، اپاہجوں اور بیماروں نے کیا ساتھ دیا تھا۔ بلا کسی امتیاز کے گھروں سے نکالا، ذبح کیا اور جیلوں کو بھرا۔ ننگا اور مفلوک الحال بنایا۔ یہ سب کس نے کیا۔ ان بنگالیوں نے کیا، بنگلہ دیش کی حکومت نے کیا۔ مجیب کے حکم اور آڈر پر ہوا۔

ابین ڈونڈ پروپرٹی ایکٹ (ABANDONED PROPERTY ACT)

ابین ڈونڈ پروپرٹی ایکٹ (ABADONED PROPERTY ACT) کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔

اس قانون کے تحت سارے کے سارے غیر بنگالیوں کی تمام جائیدادوں کو حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا۔ مکانوں، دوکانوں، کارخانے اور بنک ڈپازٹ تک پر قبضہ کر لیا گیا۔ جس بنگالی کو جہاں غیر بنگالیوں کے مکانات ملے، دوکانیں ملیں اور کارخانے ملے قبضہ کر کے بیٹھ گیا۔ اکثریت ایسا کرنے والوں میں عوامی لیگیوں اور گورنمنٹ ملازمین کی رہی۔ غنڈے اور حریص بنگالی بہاریوں کی تاک اور کھوج

پکڑ دھکڑ دیں لگے تھے کہ کس طرح دھوکہ، فریب اور زبردستی سے اس کی جائیداد بغیر کسی معاوضہ کے لکھوائی جائے۔

کہا جاتا ہے کہ جب عوامی لیگ نے تحریک آزادی (سنگرام) کی شروعات کی تھیں۔ اس سے قبل ہی عوامی لیگ کی ہائی کمانڈ نے بڑے بڑے کارخانے اچھے اچھے مکانات اور دوکانوں کا الاٹمنٹ پہلے ہی کر کے رکھ دیا گیا تھا اس کی باضابطہ فہرست مرتب کی تھی اسی کے تحت جب آزادی ملی تو بہاریوں کی جائیداد منقسم کر لی گئیں۔

چنانچہ بہاریوں کی چیزوں پر قبضہ کرنے کی ایسی دوڑ شروع ہوئی کہ مسٹر، مولانا افسران، منسٹرز اور دیگر سربرآوردہ لوگوں کے کوئی اس سے بری نہیں رہا ایسے لوگ بھی بے ایمانی سے بعض نہ آئے جو بہاری تھے اور کسی طرح بنگالیوں سے ازدواجی رشتہ قائم کر لیا تھا۔ گھروں سے نکال کر اور دوکانوں سے نکال کر قبضہ کیا تمام غیر بنگالی آبادی کو کیمپوں میں ڈال دیا۔ محاصرہ میں رکھا اور کہا کہ یہ دوکانیں اور مکان چھوڑ چکے ہیں۔ اس لئے از روئے قانون حکومت قابض ہوئی۔

جو غیر بنگالی سپرد کیمپ نہ کیا جا سکا اور بنگالیوں کی ملی جلی آبادیوں میں رہ رہے تھے اور کسی طرح بچ گئے تھے ان کی جائیدادوں پر قبضہ کر لیا۔ بہت سے لوگ مارے گئے ان کے وارث حیات تھے ان کی جائیدادوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ غرضیکہ بلاتمیز اگر کوئی غیر بنگالی ہے تو اسکی جائیداد پر حکومت نے قبضہ کیا اور نام اس کا ابین ڈونڈ پروپرٹی رکھا گیا۔

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کا مسئلہ پاکستان کے لئے پیچیدہ بھی اور جذباتی بھی
اصولی طور پر اور نظریاتی طور پر مشرقی پاکستان برصغیر کے عام مسلمانوں کا ملک ہے
برصغیر کے مسلمانوں نے انگریزوں اور ہندوؤں سے جنگ، اور متواتر، مسلسل قربانیوں
کے بعد حاصل کیا۔ اس کی اساس دو قومی نظریہ پر ہی تھی۔ اس لئے کسی شخص، حکومت
یا کسی پارلیمنٹ کو حق نہیں پہنچتا کہ اسے تسلیم کرے۔ اس لئے کسی کے تسلیم کرنے
کے حق کو اور نہ کسی کے غاصبانہ قبضہ کو مانا جا سکتا ہے۔ یہ جن کا ملک ہے وہ ہی کر سکتا
ہے۔ اس لئے یہ جذباتی ہے۔ پیچیدہ اس لئے کہ عوامی لیگ نے چھ نکات (علیحدگی)
کی بنیاد پر انتخاب میں حصہ لیا اور ساری نام نہاد بنگالی قوم نے مجیب کا ساتھ دیا
ملک کے ہر شعبہ زندگی کے لوگوں نے تن من دھن کی بازی لگا دی۔ اور باضابطہ
نام نہاد آزادی کے لئے جنگ کی جس طرح دو قومی نظریہ (قیام پاکستان) کے اصول
کو بنیاد بنا کر مسلم لیگ کے الیکشن میں حصہ لیا اور کامیابی حاصل کی اور اسی الیکشن
کی کامیابی قیام پاکستان کی بنیاد بنی۔

مجیب کا ساتھ ساری بنگلہ دیش کی عوام نے دیا ایک دل اور ایک زبان ہو
کر دیا۔ اسے تسلیم کرنا ہی ہوگا، تمام وکلاء، پروفیسروں، انجینئروں، مزدوروں
ججوں، کاشتکاروں اور طلباء نے تزک و احتشام کے ساتھ دیا یہ ایک حقیقت
ہے۔ اس سے گریز ممکن نہیں۔

حقیقت پسندی کو کبھی اصول پر ترجیح بھی دینی پڑتی ہے۔ سیاست کوئی جامد
و ساکت چیز نہیں سیاست وقت، موقع اور نزاکت کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں

وقت کے اتار چڑھاؤ کو سیاست میں دخل ہوتا ہے۔ کسی مفروضہ یا ان ہونی چیزوں کے پیچھے جمے رہنا بہت بڑی مصیبت اور نقصان کا باعث بن جایا کرتی ہے۔ ہاں بنیادی اصول کو پیش نظر رکھ کر سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔

یہ ضروری ہے۔ حقیقت ہے ساری بنگالی قوم "سکرتی" ضروری کے لئے چیخ و پکار کرتی رہی۔ ایک آواز بھی بنگلہ دیش سے منظوری نہ دینے کے حق میں اٹھائی نہیں گئی۔ ورنہ یہی کہا جاتا کہ اس منظوری اور نامنظوری پہ بین الاقوامی ادارے کے تحت عوام کی رائے لی جائے اس کی بھی گنجائش نہیں۔ ہر پڑھا لکھا بنگالی مجھ سے پاکستان آنے سے پیشتر ڈھاکہ میں یہی کہتا رہا کہ پاکستان "سکرتی" منظوری دیدے۔ تو بھلا و (بہتر) ہو گا۔

حقیقت یہ کہ اس پر دشمن کا قبضہ میری دسترس سے دو ہزار میل پر وہ خطہ، جنگ کر کے بھی قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔ میری فوج بنگلہ دیش اور ہندوستان میں مقید شرط چھوٹنے کی بنگلہ دیش کی منظوری ہے۔ ساری بین الاقوامی برادری موثر مدد سے قاصر۔ بڑی طاقتوں نے سوائے چین کے سب ہندوستان و بنگلہ دیش کے موقف کے ساتھ دنیاوی برادری چند ممالک کو چھوڑ کر سبھوں نے تسلیم کر لیا۔ اب اپنے حصہ میں سوائے سبکی، ذلت اور رسوائی کے کیا رہا۔

دوسرے آج سے پچیس سال تک بہاریوں کے حق کو تسلیم کر کے بھی تو یہ ثابت کیا جاتا رہا کہ یہ مشرقی دیش حقیقتاً بنگالیوں کا ہے۔ ملک میں جملہ پارٹیاں بہاریوں کو برابر کا حقدار سمجھنے سے گریز کرتی رہیں۔ حق و مراعات کی باتیں تو دور رکھیں ملک کی دوست اور اسلام پسند جماعتیں اصول کی حامل ہوتیں تو بنگالیوں کو واحد ملک سمجھ کر اور بہاریوں کے سیاسی، سماجی، معاشی طور پر قلع قمع کے خلاف موثر طریقہ سے آواز بلند کرتیں۔ لیکن تذکرہ بھی گناہ تصور کیا گیا۔

دوسرے بقول بنگالیوں کے غلامی سے آزادی حاصل کی ہے۔ آج تک پاکستان کے ساتھ رہ کر ان کی حق تلفی کی جاتی رہی، لوٹا جاتا رہا، اب فقرہ آزادی

ملی ہے تو پاکستان بھی منظور کر کے دکھادے کہ اب تم اپنی غلامی کا مزہ تو چکھ چکے آزادی کے مزہ سے لذت اندوز ہو جاؤ۔ تاریخ کے کسی موڑ پر یہ نہ کہا جائے کہ چھبیس[۲۶] سال تو غلام بنا کر رکھا ہی تھا۔ اب منظور نہ کر کے میری فارغ البالی اور ترقی کا راستہ روک رہا ہے اس الزام سے بری کرنا اپنے کو پاکستان کے لئے لازمی ہو گیا ہے۔ اس تلخ گھونٹ کو بدنامی سے بچنے اور اپنی عزت پر حرف نہ آئے، اس لئے اتنا ضروری تھا کہ حلق سے اتارا جائے۔

بین الاقوامی سطح پر بدنامی اور نقصان سے پاکستان کو بچانا لازمی تھا اس لئے بھٹو صاحب نے تسلیم کر کے دانشمندی و بیدار مغزی کا ثبوت دیا ہے۔ اور انتہائی دانشمندی سے دنیائے اسلام کے نمائندہ کو بٹھا کر ان کو مشورہ میں شریک کر کے، مرضی کے مطابق تسلیم کیا ان کا عمل قابل صد آفرین ہے۔

قائد اعظم رح بقید حیات ہوتے تو بنگالیوں کے رویہ و شر کے پیش نظر کب کا الگ کر دیئے ہوتے۔ بعض مواقع زندگی میں ایسے بھی آتے ہیں جب زندگی کو برقرار رکھنے کی خاطر بد گوشت کا اپریشن کر کے الگ کرنا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ ناسور سارے جسم کو بری طرح متاثر کئے رہتا ہے۔

یہ کون نہیں جانتا کہ ۱۹۷۱ء کی پہلی مارچ سے ۲۴ مارچ تک بنگالیوں نے پاکستان کی حکومت کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ غیر بنگالیوں اور پاک فوج کا قلع قمع کر کے کھانا، دانا، پانی، چلنا پھرنا، آنا، جانا، حتیٰ کہ ایر پورٹ پر جانے اور بنگلہ دیش سے نکلنے تک کی رکاوٹیں پیدا کر دی تھیں۔ انہیں حالات کے تجربہ کے بعد فوج ایکشن لینے پر مجبور ہو گئی تھی۔ جب کہ کوئی چارہ کار سوائے فوج کے حرکت میں آنے باقی نہیں رہ گیا تھا۔

بنگلہ دیش کو تسلیم کرنا بظاہر پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا، لیکن بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے خوش گوار اور مفید نتائج مستقبل قریب میں عوام کی آنکھوں کے سامنے آجائیں گے۔ تسلیم کرنے کے خوش گوار، دور رس، مفید نتائج دیکھ کر

لوگ خود بخود کہہ اٹھیں گے۔ کہ بھٹو صاحب کا یہ فیصلہ دانشمندانہ تھا
انسانی زندگی میں کچھ کھو کر بھی سب کچھ حاصل کیا جاتا ہے۔ عنقریب اندرا
گاندھی کو معلوم ہو جائے گا کہ جنگ پاکستان نے ہاری نہیں بلکہ جیتی ہے۔ جس
ہندوستان کو پنڈت نہرو نے حاصل کیا۔ اسی نہرو جی نے ہندوستان کو روز بروز
زبردستی، ہٹ دھرمی و توسیع پسندی کی راہ پر گامزن ہو کر تباہی و بربادی کی ابتداء
کی تھی اس کو اختتام تک پہنچانے میں ان کی صاحبزادی اندرا گاندھی نے کارہائے
نمایاں انجام دیئے۔ اسی طرح جس پاکستان کو قائد اعظمؒ نے جنم دیا اور جو دردِ دل
خواہشات قائد اعظمؒ کی رہ گئی تھیں اس کی تکمیل" ذوالفقار بھٹو" کے ہاتھوں ہو کر
رہا ہے۔

اثاثے کی تقسیم

بنگلہ دیش حکومت اثاثہ کے تقسیم کا مطالبہ کر رہی ہے۔ کہاں کا اثاثہ کیسا اثاثہ اور کس کی تقسیم۔

"الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"۔ بنگلہ دیش پاکستان کا دھارتی ہے نہ کہ پاکستان بنگلہ دیش کا۔ وہی بنگالی ذہنیت، پہلے ہی لاد دو کہ پاکستان مطالبہ نہ کرے اب اس ہیرا پھیری، دھوکہ بازی سے کام نہیں چلے گا۔ پہلے کی طرح نہ سمجھیں کہ کھاتے بھی تھے اور گرگراتے بھی تھے۔ ساری ناز برداریاں بنگالیوں کی برداشت کی جاتی رہیں کہ مسلمان ہیں، ایک ہی ملک کے ایک ہی خطہ کے بسنے والے ہیں۔ مل جل کر رہنا ہے۔ ہر آئی گئی چیز کو نظر انداز کیا جاتا رہا۔ چشم پوشی برتی جاتی رہی۔ کڑی سے کڑی بات کو برداشت کیا جاتا رہا۔ اب وہ بات تو نہیں اب تمہارا بنگلہ دیش الگ، میرا پاکستان الگ۔ بنگلہ دیش بنگالیوں کا ملک بنا۔ پاکستان غیر بنگالیوں (مسلمانوں کا ملک رہا) کا۔ اس پاکستان کی اسٹیٹ کا مذہب مذہب اسلام بنا۔ بنگلہ دیش حکومت کی اساس، لادینیت پہ رہی۔ پاکستان کا نظام اسلامی نظام (قرآن و سنت) رہا جب کہ بنگلہ دیش کا نظام شوشلزم اور سیکولرازم پہ رہا۔

پاکستان میں پارلیمنٹ کے سیشن کی ابتداء تلاوت قرآن پاک سے ہوتی ہے بنگلہ کے ودھان سبھا کی کارروائی، قرآن و وید دونوں سے شروع ہوتی ہے پاکستان میں مسلمانوں کی حکومت، از روئے آئین اسلامی رہیگی جب کہ بنگلہ دیش میں باوجود اس کے مسلمان زیادہ ہیں۔ ہندوؤں کا تسلط ہے، کئی منسٹر ہندوؤں میں سے لینے پر مجبور

ہیں۔ پاکستانی قوم اپنے کو مسلمان کہنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔ بنگلہ دیش قوم اپنے کو بنگالی کہنے پر فخر محسوس کرتی ہے۔ پاکستانیوں کا بنگالیوں سے ناطہ کیا، سارے رشتے ٹوٹ چکے ہیں۔ بنگالیوں نے پاکستانیوں کو اسلام علیکم کہا۔ پاکستانیوں نے بھی بادل نخواستہ ہی سہی، بہر کیف وعلیکم السلام کہنے پر مجبور ہو گیا۔

چلو تم نے خدا سے ناطہ توڑ کر بتوں سے رشتہ جوڑا۔ اب تو تمہیں خوشحالی نصیب ہو گی۔ بنگلہ دیش میں دودھ و شہید کی نہریاں بہیں گی۔ تمہارا سنار بنگلہ سونا اگلنے لگا۔ غلام تھے آزاد ہو گئے۔ تمہاری آزادی تمہیں مبارک۔

بنگلہ دیشیوں (بنگالیو) ذرہ یہ تو بتاؤ، یہ سرزمین جس پر تمہارے بنگلہ دیش کی عمارت کھڑی کی کیا یہ تمہاری ہے۔ اس بنگلہ دیش کی جو سرحدیں ہیں یہ کس کی متعین کرائی ہوئی ہیں۔ یہ مشرقی پاکستان جہاں تو نے بنگلہ دیش بنا لیا، کیا تم اس کے مالک ہو۔ کیا مشرقی پاکستان کو تم بنگالیوں نے صرف جنم دیا تھا

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یہ سارا ہندوستان انگریزوں کا تھا۔ انگریز جا رہا تھا۔ ہندو سارے ہندوستان کا مالک بن رہا تھا۔ اس لئے کہ ہندوستان میں اکثریت اس کی تھی اور اکثریت بھی کثیر اکثریت۔ مسلمان برصغیر میں اقلیت میں تھے۔

مسٹر گاندھی اسی لئے تو برابر اکثریت کی حکومت کے خواہاں تھے۔ ... حکومت کا تبادلہ یک بیک نہیں بلکہ درجہ نو آبادیات کی شکل میں، بتدریج۔

یہ تو اللہ بھلا کرے علی برادران وغیرہ لوگوں کا کہ۔

بتدریج حکومت کے تبادلہ کی یا پھر مولانا حسرت موہانی مرحوم کا جنہوں نے درجہ نو آبادیات کی شکل میں آزادی لینا منظور نہ کیا۔ بلکہ، خود مختار، مکمل آزادی کی تحریک کی۔

اور پھر اس کے حصول کے لئے جنگ کی ورنہ انگریز جاتا، ہندو اس کی جگہ لے لیتا۔

مسلمانوں کے لئے صرف اتنا ہوتا کہ آقا کی تبدیلی ہو جاتی، انگریز آقا جاتا اور

ہندو آتنا مسلط ہو جاتا۔ ویسی شکل ہیں چند ہی سالوں میں اقلیت کا جو حشر ہوتا سو ہوتا، اکثریتی خطہ کے مسلمان بری طرح متاثر ہوتے۔ اس لئے کہ انگریزوں کے زمانہ میں جب ہندو مسلم اکثریتی خطہ کے مسلمانوں پر شک چڑھائے تھے۔ زندگی کے ہر شعبہ حیات پر یوں بھی ہندوؤں کا قبضہ تھا۔

اب رہا اکثریت، تو وہ چند ہی سال میں کسی نہ کسی عنوان سے اقلیت میں تبدیل کر دی جاتی۔ ہندو بہ بانگ دہل کہہ رہا تھا کہ مسلمانوں کے ہزار سالہ ہندوؤں پر مسلط دور کا بھرپور بدلے کر رہیں گے۔

مسلمان بادشاہوں نے تو رواداری کیسے، یا حماقت کی، تبلیغ اسلام سے اپنے کو باز رکھا یہ تو بزرگان دین کا فیض تھا کہ مسلمان ہندوستان میں نظر آتے ہیں۔ ہندو برسر اقتدار، حاکم بننے کے بعد ایسی حماقت نہ کرتا جیسی کہ مسلم بادشاہوں نے کی تھی ہندو اس کے کچھ برعکس کرتا اور اپنے رام راجیہ کا تخیل پورا کرتا۔

ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ

مشرقی پاکستان کو جنم دینے میں کیا بہار، یو۔ پی، سی پی، بمبئی، گجرات، مدراس پنجاب، سندھ، صوبہ سرحد اور بلوچستان وغیرہ کے مسلمانوں کا ہاتھ نہیں تھا۔ کیا بنگالیوں نے تنہا مشرقی پاکستان کو جنم دیا تھا۔

بنگالی بولنے والے خطہ (برصغیر والے مسلمانوں کے بارے میں تو کہا جا سکتا ہے کہ بنگلہ دیش، بنگلہ بولنے والوں کے لئے بنا ہے۔ بنگلہ قومیت کی بنیاد بنگلہ زبان پر رکھی گئی۔

یہی بنگلہ زبان بنگلہ قومیت کی اساس بنی۔ چلو بنگالی بولنے والوں کا تو حق تسلیم کر لیا گیا۔

لیکن کیا غیر بنگالیوں نے اسے سور کے منہ سے اس خطہ کو نکالنے کے لئے تن، من اور دھن کی بازی نہیں لگائی۔ کیا مشرقی پاکستان حاصل کرنے کے جرم میں غیر بنگالی مسلمانوں پر ظلم ہندوؤں نہیں ڈھائے۔ کیا ہندوستان کے اقلیتی

صوبوں کے مسلمان تتر بتر اور تہس نہس نہیں ہوئے۔ مجیب نے کوئی نیا ملک فتح یا حاصل نہیں کیا ہے بلکہ غیر بنگالیوں کے حق جو مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) پر تھا ناجائز اللہ غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔

اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ میرا خطہ اکثریتی نہ ہوتا تو یہ بہاری (غیر بنگالی) مشرقی پاکستان میں پاکستان کیسے بناتے۔ صحیح، ہم بہاریوں کی زمین نہیں تھی جہاں پاکستان بناتے۔ مشرقی پاکستانیوں میں شعور و صلاحیت نہیں تھی کہ انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے یا ہندوؤں کی غلامی سے بچنے۔ ہم نے تمہیں آزاد کرایا اور تم نے زمین دی۔ بات یوں ٹھہری کہ حکومت کس کی ہو گی۔ بات یہ طے پائی کہ حکومت نہ اکثریتی خطہ کے مسلمانوں کی اور نہ اقلیتی صوبوں کے مسلمانوں کی حکومت اللہ (قرآن و سنت) کی ہو گی۔ جس کا قائم کرنا ہی اصل مسلمانیت ہے۔

چنانچہ دو قومی نظریہ پاکستان کی اساس بنی۔ ملک سے استفادہ جملہ شہری اپنی اپنی صلاحیتوں کے پیش نظر مساوی طور پر کر لیں گے۔ ایک مثالی اسلامی اسٹیٹ بنے گا۔ بنی نوع انسان کیلئے عملی شکل میں آئین خداوندی پیش کیا جائے گا۔

دنیائے انسانیت کے وضع کردہ نظام خامیوں اور غلطیوں کا مرکب ہے اس لئے بھی کہ انسانی ذہن نہ تو پختہ ہے اور نہ مکمل پختہ ہو سکتا ہے۔ انسانی ذہن نارسا ہے اور نارسا ہی رہے گا۔

دنیا میں عدل کی حکومت صرف انسانی خواہشات، احساسات اور محسوسات کو اس خداوند قدوس کے طابع کرنے کے بعد ہی حاصل کیا جا سکتا۔ انسانیت کی تمام بلاؤں سے نجات، اور تمام فتنہ نا انصافیوں سے گلو خلاصی ہو سکے گی یہی ایک ذریعہ بن سکتا ہے خدا کی ربوبیت کو اجاگر کرنے اور دنیائے انسانیت، کو خدا سے قریب کرنے کا۔

اب یہ بات صاف ہو گئی کہ مشرقی پاکستان پر حق غیر بنگالیوں کا بھی اسی طرح ہے جس طرح بنگالیوں کا۔

کیا غیر بنگالیوں کو ان کے حق سے محروم کرنا جائز ہوا۔ پاکستان سے لٹنا

ردا ہوا۔ اگر غیر بنگالیوں کو ان کے حق سے محروم کرنا جائز نہیں تو اس ناجائز خط کی تلافی و مافات کی کیا شکل ہے۔ اس کا ہرجانہ، خسارہ اور معاوضہ کون بھرے گا اور یہ معاملہ کون حل کرے گا اور کس طرح حل ہوگا۔ مجیب غیر بنگالیوں کے اس حق کے بارے میں کیوں نہیں بولتے۔

اس کے علاوہ بنگالیوں نے غیر بنگالیوں کا قتل عام کیا، نسل کشی کی قیمت کون چکائے گا۔ یہ قتل عام، لوٹ و گھسوٹ سب ہی مجیب کے حکم پر بنگلہ دیش کی فوج نے کیا۔ غیر بنگالیوں جس میں مہاجر بھی ہیں اور پنجاب و سرحد کے لوگ بھی۔ مہاجروں میں اچھی خاصی تعداد مغربی پاکستان سے گئے ہوئے لوگوں پر مشتمل ہے مجموعی تعداد غیر بنگالیوں کی مشرقی پاکستان میں (بنگلہ دیش) خوندکر مشتاق کے تخمینہ کے مطابق پچاس لاکھ تھی۔ یہ خوندکر مشتاق احمد صاحب عوامی لیگ کے بر سر آوردہ لوگوں میں ہیں۔

مجیب کی حکومت کے جیتے جاگتے منتظر ہیں۔ بعد میں مجیب نے اس تعداد کو کم کر کے بیس لاکھ بتایا۔ بہر کیف اتنی بڑی کثیر تعداد غیر بنگالیوں کی کہاں گئی۔ اس کا حساب بھی تو کرنا ہے۔ اس کا حساب بھی تو بنگلہ دیش کی حکومت کو دینا ہے۔

میں بھٹو صاحب سے مؤدبانہ التماس کروں گا کہ ان معصوم جانوں کا بنگلہ دیش سے جواب طلب کریں۔ یہ پاکستان کے حامی تھے۔ اگر بنگلہ دیش تشفی بخش جواب نہ دے۔ بنگلہ دیش ان جانوں کا صحیح پتہ دے غرضیکہ ان جانوں کو واپس کرے یا پھر "قصاص" دے۔ ان جانوں اور قصاص کے طلب کرنے اور حساب لینے کا پورا پورا پاکستان کی حکومت کو حق پہنچتا ہے۔

اگر اس سلسلہ میں مجیب کی حکومت صحیح صحیح جواب نہ دے تو پھر بین الاقوامی ادارہ۔ یو۔ این۔ او کی جانب اس مسئلہ کے لئے رجوع کرنا چاہیئے۔ "جینو سائڈ" کا مقدمہ دائر کرنا چاہیئے۔

اب رہا بہاریوں کے اثاثوں کا، مال و متاع، مکان، دوکان، کارخانے

زمین، ملیں اور زرعی زمین کا مسئلہ اس کا کیا بنے گا۔ ان کی واپسی بنگلہ دیش سے کیسے ہو گی۔ ان بقایا جات کا اندازہ کیسے کیا جا سکے گا۔

ان چھوڑی ہوئی جائیدادوں کا کیا بنے گا۔ کسی کو اس کی حقیقت سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ بنگلہ دیش واپس کرے۔ یا پھر جس نے اُسے آزادی دلائی یا مدد فرمائی۔

پاکستان پر ادائیگی کی پوری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس لئے پاکستان کو اس ادائیگی کے قرض سے سبکدوشی حاصل کرنی ہو گی۔ بنگلہ دیش سے وصول کر کے یا پھر پاکستان کے خزانے سے۔ لیکن پاکستان کا مطالبہ بنگلہ دیش کی حکومت پر ادائیگی کے سلسلہ میں رہے گا۔

اچھے خاصے خاندان جس کے تمام افراد مار دیئے گئے۔ قریبی رشتہ دار اگر ہے تو وہ پاکستان اس کا کیا کریگا ان کی جائیداد کا "کلیم فارم" کون بھرے گا اور ان کی جائیداد کا تخمینہ کیسے ہو گا۔

اس کے لئے بھی بنگلہ دیش حکومت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ ورنہ پھر بین الاقوامی ادارہ کو تخمینہ کرنے کے لئے کمیشن کی بحالی کی جانب رجوع کرنا ہو گا۔ سارے اثاثے اور جائیدادوں کا تخمینہ کھربوں کو پہنچے گا۔

بہر کیف بہاریوں کی جائیدادوں کے سلسلہ میں بنگلہ دیش سے نمٹنا، پاکستان کی حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔

بہاری مصیبتوں میں زندگی گذار رہے ہیں۔ ان کو ان کی جائیدادوں کا معاوضہ مل جانا چاہیئے۔ ویسے پاکستانی حکومت کا فرض تھا۔ دوسرے قومی وقار کا بھی تقاضا ہے کہ بہاری جو جس حال میں تھا۔ ان کا سب کچھ اسے دے کر کھڑا کر دیا جانا چاہیئے عسرت اور مفلوک الحالی کی زندگی کب تک گذارتے رہیں گے۔ بہاریوں کی مدد نہ کی جائے۔ ان کا کھویا ہوا اثاثہ ان کو ملنا چاہیئے۔

مسئلہ حل کرنے سے ٹلتا ہے ٹال دینے سے نہیں ٹلتا۔

مندرجہ بالا سطور میں تو صرف بہاریوں (غیر بنگالیوں) اور پاکستانیوں کے اثاثوں، جائیدادوں اور جانوں کے سلسلہ میں اظہار خیال کئے گئے۔ یہ ان اثاثوں جائیدادوں اور جانوں کا (خون بہا) معاوضہ جو بنگلہ دیش کے ذمہ واجب الادا ہے جسے بنگلہ دیش کو دینا ہوگا۔

اب رہا مسئلہ پاکستان اور بنگلہ دیش میں اثاثوں کے بٹوارے کا سوال۔ سوال یہ ہے کہ اثاثوں کا بٹوارہ کیسا۔ کچھ بنگلہ صلح و آشتی، راضی بہ رضا اور میل وجول سے تو الگ ہوا نہیں۔ اُسے پاکستان نے الگ تو کیا ہی نہیں۔ بلکہ جنگ و جدل اور خون وخراب کرکے الگ ہو گیا۔ ہندوستان سے مل کر غاصبانہ قبضہ کر لیا۔

ایسی شکل میں بٹوارہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ فوج کو مقید کرکے اور ہندوستان جیسے ازلی دشمن ملک میں، بنگلہ دیش کو منظور کرا لیا۔ اس طویل عرصہ تک فوج و سویلین افسران کو متفرق کیمپوں میں رکھ کر طرح طرح کی اذیتیں دیں اور کافی کو تو حیلہ کا سہارا لے کر مار بھی ڈالا۔ اس کا معاوضہ کون دے گا۔ فوج کو مقید کرکے رکھنے کا کیا حق اور کیا جواز تھا۔

یہ سب تو رکاوٹیں کی چیزیں ہیں۔ حساب ہو تو ذرہ ذرہ کا بھی ہو۔ یہ اکثر کہا جاتا ہے کہ پاک فوج نے بنگالیوں کو مارا۔ ٹھیک ہے کس کو مارا۔ بنگالیوں کو نہیں مارا بلکہ بدمعاشوں، زانیوں، لیٹروں، قاتلوں اور ان کو مارا جو نظم و ضبط اور امن و امان بحال کرنے میں آڑے آ رہے تھے۔ اپنے ملک کی حفاظت اور بقا کی خاطر کرنا پڑا۔

اب رہا اثاثہ کے ساتھ ذمہ داریاں قرضہ اور معاوضہ کا بھی تو حساب ہونا چاہئے ابھی تو بہاریوں کو ان کی بنگلہ دیش میں چھوڑی ہوئی جائیدادوں کا معاوضہ دینا ہے پاکستان اپنے شہریوں (غیر بنگالیوں) جن میں مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان دونوں شامل ہیں معاوضہ دینے کی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو جائے۔ کتنی رقم

اس معاوضہ پر آتی ہے۔ پھر پاک ایئر لائنز، بنک کے سونا ڈیپازٹ اور دیگر
اثاثوں کا حساب کرنا ہے۔ غیر ملکی قرضے کتنے ہیں۔ سنٹرل ریونیو میں ۱۹۴۷ء سے
مشرقی پاکستان نے اپنے حصہ کی رقم کتنی دی ہے۔

بھٹو صاحب نے بالکل درست فرمایا کہ
ایک تو مشرقی پاکستان لڑ کر الگ ہوا ہے اس لئے اثاثے کے بٹوارہ کا
سوال پیدا نہیں ہوتا۔ مگر قبل اس کے کہ بٹوارہ کے اصول کو تسلیم کیا جائے
یا نہ کیا جائے۔ ایک کمیشن خود مختار بٹھایا جائے جو سب چیزوں کا حساب کتاب
کرے۔ بہر کیف، اس سلسلہ میں بھٹو صاحب جو کریں گے ٹھیک کریں گے قوم
بھٹو صاحب، کی فراست، راستبازی، صاف گوئی اور انصاف پسندی پر بھروسہ
کرتی ہے۔

بھٹو صاحب

بھٹو صاحب!

آپ مملکت اسلامیہ پاکستان کے وزیر اعظم ہیں۔

آپ کے ذہن کو کسی خاص مسئلہ کی جانب منعطف و مرکوز کرانا مقصود ہے سقوط ڈھاکہ کے بعد بہاریوں (غیر بنگالیوں) (جنہیں آپ بخوبی پاکستانی کہہ سکتے ہیں) پر کیا کچھ نہ گذری، آپ اس سے بے خبر نہیں۔ بہتیرے کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ کچھ آپ کی کرم فرمائیوں کی بنا پر اپنے وطن پاکستان آ گئے کچھ معصوم جانیں آج بھی متفرق بنگلہ دیش کے کیمپوں میں پھڑ پھڑا رہی ہیں، ان معصوم جانوں کی نظریں آپ کی جانب لگی ہوئی ہیں۔ آپ کے اشارہ کی منتظر ہیں۔

کیا وہ آپ کے نہیں ہیں۔

کیا آپ انہیں لبیک نہیں کہیں گے؟

آپ انہیں لبیک کہیں گے یہ آپ جیسے پُر درد دل کے بس کا نہیں۔ آپ کے دھڑکتے ہوئے دل کی دھڑکن بتا رہی ہے کہ آپ انہیں گلے لگا کر رہیں گے۔

کچھ پُر درد آہوں کی کھنک نیپال سے بھی مل رہی ہے۔ پُر درد کہانیاں اپنے دامن میں پنہاں رکھتی ہیں۔ وہ اشکبار آنکھیں کبھی آپ کی جانب دیکھتی ہیں اور کبھی حسین مژدہ سننے کے لئے کانیں لگائے بیٹھے ہیں۔ ان آہوں کو تو سینں، ان کے دل و جگر کے آبلوں پر مرہم تو رکھیں۔ پاکستان کی زمین عریض و بسیط ہے۔ بس جس دن ان اشکبار آنکھوں سے آپ نے اپنا دامن تر کر دیا توان کا بیڑا پار ہے۔ اُسی گھڑی کا انتظار ہے، اسی لمحہ کے لوگ منتظر ہیں۔

کچھ شکستہ دل اور پریشان حال بہاریوں (غیر بنگالیوں) کا قافلہ بنگلہ دیش کی جیلوں اور کیمپوں کی مصیبتیں واذیتیں کاٹ کر، موت وحیات کی کش مکش اور خوف وہراس کے دن گزار کر، آپ کی ہمدردیوں اور کرم فرمائیوں کا سہارا پاکر اپنے وطن عزیز" پاکستان" آگئے ہیں۔ کچھ کو کچھ رعائتیں اور امداد بھی ملی ہے۔ کچھ ملک کے متفرق کیمپوں میں حکومت کی امداد پر جی رہے ہیں۔ کچھ حکومت کی کیمپ سے الگ الگ جگہ اکھٹے پڑے ہیں۔

بیشتر آبادی آنے والوں کی اپنے عزیزوں کے ساتھ، ادھر اُدھر کس مپرسی مفلوک الحالی اور احساس محرومی کے ساتھ زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جو وہاں اچھی حالت میں تھے۔ بنگلہ دیش میں معاشی اور معاشرتی اعتبار سے ایک مقام تھا۔ آج وہ ننگے ہیں۔ قیام وطعام، پوشاک ودوا اور اپنے بچوں کو تعلیم دلوانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلا سکتے۔ کسی کیمپ میں نہیں رہ سکتے۔ لائن میں نہیں لگ سکتے۔ ان کی خودداری، اور بے بسی کا مزید امتحان نہ لیا جاتا تو بہتر تھا۔ یہ قیدو بند کے امتحان اور جبر وتشدد کے دن کاٹ کر آئے ہیں۔ دکھ سہہ کر آئے ہیں۔ لٹ پٹ کر آئے۔ انہیں خیرات سے نہ نوازیں۔ بھیک نہ دیں اور امداد کے نام پر نہ دیں اس سے ان کا ضمیر مردہ ہو جائے گا۔ ان کے رجائیت پسندی اور روشن ضمیری کو دھکا لگے گا۔

انہیں گورنمنٹ کی جانب سے آزادانہ اور فراخدلانہ طور پر مراعات دیں ان کی بنگلہ دیش میں چھوڑی ہوئی جائدادوں کا معاوضہ دینے کا موقع فوری طور پر نہ دے سکیں۔ تو نہ دیں۔ اپنی حکومت کی سہولتوں کو مدنظر رکھیں۔ ان بدبختوں اور حسرت کے ماروں کو معاوضہ کی رقم سے کچھ فی صد دے دیں۔ عجلت سے کام لیں۔ اس لئے کہ اب مزید تاخیر سے کام لیا گیا تو۔

"خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک"

آپ نے ان بدنصیبوں کا، بدبختوں اور آفت رسیدوں کا امتحان لیا ہے یہ بڑے مخلص، محنتی، اسلام کے فدائی اور محب وطن ہیں۔ یہ جانثار ہیں۔ یہ دوستوں اور دشمنوں میں اچھی طرح تمیز کرتے ہیں۔ انہیں اپنا کر تو دیکھیں۔ انہیں گلے لگا کر تو دیکھیں۔ ملک کے د" ریکا اور آپ کی عظمت کا تقاضا تو یہی مطالبہ کرتا ہے کہ ہر پاکستانی کو جو بنگلہ دیش میں جن حیثیت کا مالک تھا۔ اسی سج دھج اور آب وتاب کے ساتھ اسی مقام پر لاکر اُسے کھڑا کر دیا جائے، تاکہ احساس محرومی جاتا رہے۔ احساس زیاں باقی نہ رہے ولداری تو کیجئے۔

بھٹو صاحب!

آپ نے قومی و ملکی بہت سارے دیرینہ مسائل بحسن و خوبی حل کر دیئے ہیں۔ یہ آپ کا ہی حصہ تھا آپ ہی کر سکتے تھے، ماضی میں تو کوئی نہ کر سکا۔

آپ نے بیمہ کمپنیوں، بنکوں، بڑے بڑے کارخانے جات کو قومی ملکیت میں لے کر ایک عظیم کام انجام دیئے۔ آپ نے عوام کو سرمایہ داروں کے پنجہ خونیں سے نجات دلائی۔ ورنہ کل تک تو ملک کے قومی وسائل پر بری طرح یہ سرمایہ دار ہی چھاپہ مارے بیٹھے تھے۔

ایک ہی سرمایہ دار، مل پر قابض تھا، کارخانے کا مالک بھی وہی۔ بنک و بیمہ کمپنی بھی اس کے قبضہ میں تھی۔ ان سرمایہ داروں کی گرہ ایسی سخت ہو گئی تھی کہ عام عوام کے لئے کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔ عوام کا کوئی فرد اس تانا بانا کو نظر انداز کر کے جو ان سرمایہ داروں نے تان رکھا تھا کوئی قدم بڑھا سکتا تھا؟

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ

پاکستان انہی کی صرف فلاح و بہبود کے لئے وجود میں لایا گیا ہے۔

اس پاکستان کے یہ سرمایہ دار مالک ہیں۔

اپنے پیسے [illegible] عوام کے رہنماؤں کی بھی خرید و فروخت میں لگے تھے ان کا تصور یہ تھا کہ ہر شخص خریدا جا سکتا ہے اور ہر شخص بک سکتا ہے۔

قیمت کم و بیش ہو سکتی ہے۔ سرمایہ داروں کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ بھیتوری ان کی غلط ثابت ہوئی۔ کچھ ایسے بھی باضمیر ہیں جو کسی قیمت پر فروخت کیا ہوں گے خرید کرنے کرنے والوں کا ہاتھ مزدور کو اپاہج بھی بنا دیا کرتے ہیں۔ سرمایہ داروں کا سارا نشہ کرکرا ہو کر رہ گیا۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ ضرب المثل کہ

"سو سوناری اور ایک لوہاری" کیا ہوتا ہے"

ایک عظیم مسئلہ تھا وہ حل ہو گیا اب قومیائے جانے کے بعد کچھ چھوٹے موٹے مسائل کا ابھرنا اور نمودار ہونا ضروری ہے۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ یہ ایک چشم زدن میں حل کیا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی دردسری نہیں۔ بیماری ختم ہو گئی کمزوری باقی ہے بہتے بیتے، کھاتے پیتے ——— ٹھیک ہو جائے گی۔ تربیت یافتہ اور تندہی سے کام کرنے والوں کی کچھ کمی ہے ورنہ کب سے یہ کمزوری بھی رفع ہو جاتی۔

قومیائے جانے سے عام لوگوں کی ترقی کرنے کی راہ میں جو احساس محرومی تھا وہ ختم ہو گیا۔ ملکی دولت کی ناجائز طور پر تقسیم میں کمی واقع ہوگی۔

ابھی تک ایک شخص پال اڑا رہا تھا، کو ٹھیوں میں رہ رہا تھا اور کاروں میں گھوم رہا تھا اور دوسرا شب قوت کا محتاج سڑکوں پر فاقہ مست گھوم رہا تھا۔ یہ تفاوت یہ دوری۔ آخر کیوں۔ ملکی وسائل سبھوں پر بلا تمیز کھلے ہونے چاہیئے۔ پھلنے پھولنے اور ابھرنے کے مواقع سبھوں کے لئے یکساں طور پر ہونے چاہیئے تھا۔ سو ہو گیا۔

اسی طرح تعلیم سے سماج کا ایک خاص طبقہ استفادہ حاصل کرتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حصول تعلیم ان کا پیدائشی واحد حق ہے۔ اس طبقہ کے پاس وسائل و ذرائع لامحدود تھے۔

دولت کی کمی نہیں، رسل و رسائل کی کمی نہیں۔ اس طبقہ نے حق حصول تعلیم کو مقید کر رکھا تھا۔ غریب طبقہ بچوں کو تعلیم دلانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ تعلیم کے کثیر اخراجات کا فراہم کرنا کچھ آسان کام نہیں تھا

تعلیم کی محرومی ان کا مقدر بن کر رہ گئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس ملک کا قیام صرف خاص طبقہ ہی کے لئے عمل میں لایا گیا تھا یہ محرومی معراج تک پہنچ چکی تھی اس طرح سماج سے درمیانی طبقہ کا ابھار کچھ سرد پڑتا جا رہا تھا۔

اس طرح یہ ملت دو حصوں میں منقسم ہو کر رہ گئی تھی یعنی ایک دولت مند طبقہ اور دوسرا غریب و مفلوک الحال طبقہ۔ ایک تعلیم یافتہ طبقہ اور دوسرا جاہل طبقہ، کسی سماج کا درمیانی طبقہ ہی کسی ملک کی ترقی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ملک اس سے محروم ہو رہا تھا۔

درمیانی طبقہ ہی ریڑھ کی ہڈی کی مانند ہوتا ہے جو سماجی توازن کو برقرار رکھتی ہے۔ سماجی ناہمواری کو دور کرنے میں مدد کرتی ہے۔

انسانی ذہنوں کی پرورش اگر صحیح نہج پر ہوتی رہے تو یہ ملک کی بڑی خوش نصیبی ہے تعلیم کو میٹرک تک مفت کر کے تعلیم کو ملک کے ہر چھوٹے بڑے طبقہ تک پہنچا دیا گیا۔ غریبوں کے بچے بھی اب تعلیم کی سوچ سکتے ہیں۔ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے نئے راہیں کھل جاتی ہیں ملک کے تعلیمی وسائل کے پھیلاؤ سے فائدہ حاصل کر کے غریب کے بچے اعلیٰ تعلیم کے حصول کی جانب اپنی مرضی کے مطابق آگے سوچنے کے اہل ہو سکتے ہیں۔ تعلیمی ترقی کی تمام راہیں امیر و غریب پر یکساں کھول دی گئی ہیں۔

یہ کوئی چھوٹا مسئلہ نہیں تھا بلکہ ملک کا اہم ترین مسئلہ تھا جو حکومت نے بحسن خوبی انجام دیا ہے۔ سماج میں ناہمواری تعلیم کا قلع قمع کر دیا گیا۔ تعلیمی فروغ ہی سائنسی فروغ لائے گا۔ تمدنی اور معاشرتی فروغ کا باعث بنے گی۔

ملک نئی نئی ایجادات سے بہرہ ور ہو سکے گا۔ اور اس طرح ملک کی دولت میں نہ صرف اضافہ ہی ہو گا۔ بلکہ ملک کی دولت کی تقسیم منصفانہ طور پر ممکن ہو سکے گی۔ امیری اور غریبی کا   ود تفرقہ آہستہ آہستہ مٹتا جائے گا اور یکسانیت آ سکے گی۔

تعلیم کی سہولتیں عام ہونے سے غریب ذہن جو انتشار و پراگندگی کا شکار تھا قدرے سکون مل گیا۔ ملک کے ہر شعبہ میں اپنا جائز حصہ کے حصول کی دوڑ شروع ہوگئی۔ یہ دوڑ لابودی اور لازمی تھی۔ اس سے ملک میں ترقی کی راہیں کھل جائیں گی اور ہر کس و ناکس اپنے مستقبل کو محفوظ دیکھ سکتا ہے اور مستقبل پر اس کی نظر اور مکمل ہاتھ ہوگا وہ غیر یقینی کیفیت اب دور ہو چکی ہے تعلیم کی روشنی ہی نہیں تعلیم کی فراوانی ملک کے لئے رحمت بن کر نمودار ہوئی ہے۔ یہ عظیم مسئلہ حل طلب چلا آرہا تھا، جو حل کر دیا گیا۔ اب ضرورت اس کو صحیح طور پر چلانے کی باقی رہ گئی ہے۔

اب ذرہ آئینی مسئلہ پر نگاہ ڈالیئے۔

ملک وجود میں آگیا۔ لیکن دستور سے محروم رہا۔ عجیب قسمت رہی پاکستانیوں کی یہ کام لیاقت علی مرحوم کا تھا کہ سارے کاموں کے ساتھ ساتھ دستور بھی قوم کے حوالہ کر دیا جاتا۔ لیکن چونکہ صلاحیت کی از حد کمی تھی دوسرے طرز دستور کے بارے میں ان کا ذہن بھی صاف نہیں تھا۔

مسلم لیگ میں بھی سیکریٹری جنرل کی حیثیت سے وہ اُوپر سے تھوپے ہوئے تھے۔ قائد اعظم رح نے قوم سے اپیل کی

لیاقت علی مرحوم کو سیکریٹری تسلیم کر لو، قوم نے تسلیم کر لیا۔

اس سے پہلے ان کی حیثیت سیاسی کیا تھی؟ قائد اعظم رح کی براہ راست سرپرستی میں سیکریٹری شپ کا کام تو انجام دیتے رہے لیکن آزادانہ طور پر ملک چلانے کی صلاحیت کا فقدان تھا۔

قائد اعظم رح کی تندرستی نے بہار میں ۱۹۴۶ء کے مسلمانوں کے قتل عام کے بعد ہی جواب دینا شروع کر دیا تھا۔ دلی و پنجاب کے سانحہ ناگیز پیہم اور مسلسل مسلمانوں کے قتل عام اور مکمل تباہی کے صدموں نے جانبر ہونے کا موقع ہی نہ دیا تھا۔

ویسے بھی مسلم لیگ کی زیادہ تر نااہل اور ناتجربہ سیاسی لیڈروں پر منحصر تھا۔ یہ

لوگ کسی طرح تنظیم کو تو چلا سکتے تھے اور بغیر ان کے تنظیم چلتی بھی نہیں ۔ بیرسٹر
خان بہادر ، راجے ، زمیندار اور جاگیرداروں کا مسلم عوام پر مکمل اثر اور قبضہ تھا
نئی لیڈرشپ ابھر کر نیچے سے مخلص ، تجربہ کاروں اور باصلاحیت لوگوں کی اور آرہی تھی ۔
قبل از وقت پاکستان کے وجود میں آنے سے وہ لوگ اوپر نہ آسکے ۔

قیام پاکستان کے بعد "دوسرا ہیٹ "تجربہ کار لوگوں پر مبنی لانا چاہیئے" ۔ سو
قائد اعظم رح کی تیزی سے گرتی ہوئی صحت کی بنا پر نہ ہو سکا ۔ زندگی نے وفا نہ
کی ۔ سارے مسائل جو پہاڑ کی مانند نظر آرہے تھے ۔ ان سب کی بنا لیاقت مرحوم ہی
نے ڈالی تھی ۔

ایک نظریاتی اسٹیٹ کو کس طرح چلایا جائے وہ اس سے نابلد تھے ۔ ان
کی وفات کے بعد ملکی سازشوں ، جاہ و حشمت کے غلاموں نے ملک کی ایسی کی تیسی
کر دی ۔

۱۹۵۶ء کے بنے بنائے آئین کو عملی جامہ پہنانے کا موقع نہیں دیا گیا ۔

ایوب خان صاحب عرصہ سے گدی سنبھالنے کی تیاریاں اور تجربات کر رہے
تھے چنانچہ اللہ نے انہیں موقع بھی دیا ۔

بس کیا تھا ۔ منہ مانگی مراد بر آئی ۔

تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھ گیا ۔

جانشین ہو گئے ۔

۱۹۶۲ء میں ملک میں ایک من مانا اور من گھڑت دستور ملک پر تھوپ دیا
صدر تو ہو ہی گئے تھے ، خلافت کی کوشش اور ساتھ ساتھ خلافت کو ملوکیت
میں تبدیل کرنے کی راہیں تلاش کرنے لگے ۔

عجب اتفاق ، زمانہ نے وہ کروٹ لی کہ خود کا بنایا ہوا دستور ختم کرنا پڑا
ملک میں الیکشن ہوئے ۔

بھٹو صاحب !

دستور ساز اسمبلی میں بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے ۔

بھٹو صاحب کی سرپرستی اور کوششوں سے ملک نے قابل قبول آئین پا لیا۔ یہ پائیدار اسلامی اسٹیٹ نے، ملک کا مذہب، مذہب اسلام قرار دیا۔ یہ بھٹو صاحب کی اسلام دوستی کی بنا پر ممکن ہو سکا۔

اب اس دستور کے ختم ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ خدانخواستہ اگر قوم سے یہ دستور کسی اسٹیج پر چھینا گیا۔ تو وہ دن پاکستان کے لیئے سیاہ ترین ہو گا۔ پھر قوم کو آزاد رہنے کی ہوس ترک کر دینی چاہیئے۔

بھٹو صاحب نے دستور کے مسئلہ کو حل کر کے اپنے آپ کو غیر فانی بنا لیا ہے۔

اسی طرح ایک مسئلہ حصول پاسپورٹ کا بھی تھا۔

افراد، وسائل و ذرائع کے مالک ہی پاسپورٹ حاصل کر سکتے تھے۔ پابندیاں اور ضوابط اتنے سخت تھے کہ غریب اور معمولی وسائل کے انسانوں کے لئے پاسپورٹ کا حاصل کرنا تقریباً غیر ممکن ہو گیا تھا۔

یہ ایک ملک کے بیوں میں تفریق کیوں یا سراسر ظلم کیوں۔

اس کفر کو بھی بھٹو صاحب کی حکومت نے توڑا۔

آج ملک کا امیر و غریب، چھوٹا بڑا، جاہل و پڑھا لکھا کسی زحمت و پریشانی کے بغیر پاسپورٹ لے سکتا ہے اور کسی ملک کو جا سکتا ہے۔

پہلی حکومتوں کا رویہ غیر ممالک میں عام لوگوں کو جانے سے روکنے کے سوا کیا مقصد تھا۔

سوائے ترقی کی راہوں میں روڑے اٹکانے کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ آج ہر خاص و عام اور ان کے بچے پاکستان سے باہر جا رہے ہیں۔ غیر ممالک میں وہ ملازمتیں حاصل کر رہے ہیں۔

اور اس طرح ملک کی دولت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ ملک کے لیئے

زرمبادلہ حاصل کر رہے ہیں۔ تعلیم حاصل کر رہے ہیں غیر ممالک میں تجارت

کو فروغ دے رہے ہیں۔

بھٹو صاحب نے حق پسندی اور حقیقت پسندی کو راہ دے کر فیاضانہ

طور پر پاسپورٹ دے کر ملک اور ملک کے عوام کی بہت بڑی خدمت

انجام دی ہے۔

شناختی کارڈ

شناختی کارڈ عام بالغ شہری کے لئے لازمی قرار دے کر بہت ساری

انتظامی کمزوریوں کا ازالہ ہو سکے گا۔

معاشرہ بری طرح بگڑا ہوا ہے۔ عام لوگوں میں بے ایمانی کا رجحان بڑی

تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ جائز و ناجائز کی تمیز جا رہی تھی، اس کی روک تھام

ہوشمندی سے قابو پانے کا مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا۔

شناختی کارڈ سے سماج صحت مندی کی جانب بڑھ سکے گا۔ معاشرہ تمام تر

برائیوں سے آہستہ آہستہ پاک ہو سکے گا۔ شناختی کارڈ سے بہت ساری اصلاحات

کو اپنانے میں مدد مل سکے گی۔

ملک سے جرائم کو ختم کرنے اور جرائم پیشہ لوگوں کا قلع قمع کرنے میں مدد ملے

گی۔ دھوکہ دھڑی کی وارداتوں پر اچھی طرح قابو پایا جا سکے گا اور انتظامی معاملات

کو صحیح نہج پر چلانے میں مدد مل سکے گی۔

اسی طرح بہت ساری اصلاحات کو کامیاب طور پر چلایا جا سکتا ہے

ملک کا کوئی شعبہ حیات ایسا نہیں جس میں اصلاحات نہ کی گئی ہوں اور کوئی

ایسا استحصالی طبقہ نہیں جس کے ساتھ انصاف کرنے کی جانب حکومت نے

رخ نہ کیا ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ بھٹو صاحب کا دور، اصلاحات کا دور ہے، استحصال سے پاک کرنے کا دور ہے اور ترقیوں کا دور ہے۔ دیرینہ مسائل کو حل کرنے کا دور ہے۔ کیا میں توقع کروں کہ اور کیوں نہ کروں جب ملک کے بڑے بڑے مسائل خوش اسلوبی سے حل کر دیئے گئے اور کئے جا رہے ہیں تو بہاریوں وغیر بنگالیوں کا مسئلہ جو پاکستان کا اہم ترین مسئلہ، انسانیت نوازی، خلوص اور محبت کے ساتھ خوش اسلوبی سے بلا کسی مزید تاخیر کے حل نہ کیا جائے۔

(ختم شد)

(ڈسینٹ پریس کراچی)